D

عالمِ خواب

از قلم

شری ست رنبیر بی اے

ملنے کا پتہ

اردو مندر ستھان لاہور

بار اوّل ——— قیمت دو روپے

امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ - لاہور میں باہتمام پنڈت دھرم چند بھارگو بی - ایس سی
چھپا اور لالہ سرداری لال بھاٹیہ پبلشر بھاٹیہ سکول بک ڈپو اندرون لوہاری دروازہ
لاہور سے شائع ہوئی ۔

فہرست

ہار جیت ——— ——— ۷

عالمِ خواب ——— ——— ۳۵

ٹیکسلا کے کھنڈر ——— ——— ۶۴

جوالا جی کا مندر ——— ——— ۸۷

عالم وارفتگی ——— ——— ۹۵

پردیسی کا پیار ——— ——— ۱۲۳

اندھی آنکھیں ——— ——— ۱۳۲

بھینٹ

مہاتما خوشحال چند جی آنند کے چرنوں میں

(دھرم پال)

پیش لفظ

عنوان لکھ چکنے کے بعد مجھے محسوس ہُوا ہے کہ شری زنبیر جی کے دلآویز افسانوں کے مجموعہ کا پیشِ لفظ لکھ کر میں ایک گستاخی کر رہا ہوں ۔ کیونکہ رواج اور قاعدہ یہی چلا آتا ہے ۔ کہ کتاب کا پیش لفظ کسی ایسی نامور ہستی سے لکھایا جائے ۔ جو شہرت اور قابلیت کے اعتبار سے مصنف کی نگاہوں میں بہت بلند ہو ۔ اس قاعدہ اور رواج کو پیشِ نظر رکھوں تو "عالم خواب" کا پیش لفظ سمراٹ کوی شری رابندر ناتھ ٹیگور کے ہم پایہ ادیب کو لکھنا چاہیئے ۔

لیکن میں نے جان بُوجھ کر اس قاعدہ اور رواج کو توڑا ہے ۔ اس لیئے کہ میرے دل میں شری زنبیر جی کے متعلق جو بے پناہ الفت اور عقیدت لاانتہا احترام اور شردھا ہے اس کے اظہار کے لئے میں اس نادر موقعہ کو گنوانا نہیں چاہتا جب سے میں نے دنیا کی خار دار وادی میں ڈگمگاتے ہوئے قدم رکھے ہیں ۔ تبھی سے میں اپنے آپ کو زنبیر جی کے رحم و کرم کا محتاج محسوس کرتا ہوں ۔ میری کشتیٔ حیات رنج و غم کے طوفانوں کی تاب نہ لا کر گرداب کی جان لیوا گردشوں میں تحلیل ہو رہی تھی ۔ کہ اچانک مجھے شری زنبیر جی کا سہارا مل گیا ۔ اسی دن سے میں زنبیر جی کو اپنے والدین ۔ اپنے رشتہ داروں اور اپنے دوستوں سے زیادہ عزیز اور محترم سمجھتا ہوں ۔ دن کا کام شروع کرنے سے قبل میں ان کے شری چرنوں کی ارادھنا کرتا ہوں ۔ نہ کروں تو میرا کوئی کام پروان نہیں چڑھتا ۔

بھگت اور بھگوان اس رشتہ کو سامنے رکھ کر ہی میں نے سوچا - کہ "عالم خواب" کا پیش لفظ میں ہی لکھوں -

رنبیر جی کی ذات گرامی اتنی بلند اور ہر دل عزیز ہے کہ وہ کسی تعارف اور تعریف کی محتاج نہیں - پنجاب کا مایۂ ناز اخبار روزانہ "ملاپ" گزشتہ چودہ پندرہ برسوں سے رنبیر جی کے نام کو عوام تک پہنچا رہا ہے - ہر روز ملاپ میں ان کے مضامین شائع ہوتے ہیں - جنہیں لاکھوں ناظرین کی بے تاب نگاہیں انتہائی شوق اور پیار سے پڑھتی ہیں - دنیا انہیں پنجاب کا لاثانی جادو نگار مصنف سمجھتی ہے - ان کے افسانے ہوں یا افتتاحی مقالے ان کے الفاظ میں شعریت اور موسیقی کا بے پایاں سمندر موجزن ہوتا ہے - ان کے افسانوں میں بلا کی رنگینیاں اور لطافتیں ہوتی ہیں - ایک انتہائی درجہ کے فن کار کی طرح ان کے تفکر اور تخیل کی اڑانیں زندگی کی جملہ پستیوں اور بلندیوں پر محیط ہیں - ان کا ہر افسانہ شبنم سے آراستہ پھولوں کی طرح دلآویز پورے چاند کی کرنوں کی طرح لطیف شفق کے گلابی آنچلوں کی طرح مسحور کن ہے - ان میں نسیم صبح کی مستی کھیلتی ہے اور محبوب پہاڑی جھرنوں کی مترنم روانی موجزن ہے -

مجھے انتہائی فخر ہے کہ میری درخواست کو وہ رد نہیں کر سکے اور انھوں نے مجھے اپنے چند اچھوتے افسانے کتابی صورت میں پیش کرنے کی اجازت دیدی میری خواہش تو یہ تھی کہ "عالم خواب" میں تمام افسانے رنبیر جی کے ہوتے لیکن بعض مصلحتوں نے ایسا نہ ہونے دیا - افسانوں کی کمی میں نے اپنے تین افسانوں سے پوری کی ہے -

رنبیر جی کی عنایت اور رحم و کرم کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کوشش کے باوجود مجھے الفاظ نہیں مل رہے اور شاید کبھی مل بھی نہ سکیں ـــ کیونکہ "میرے" الفاظ بھی تو ان کے ہی عطا کردہ ہیں - جو تعریف اور خوشامد سے پرہیز کرتے ہیں -

اردو مندر ـــــــــــــــ دھرم پال

۱

ہار جیت

مہارانی آج بے حد غصّے میں تھیں۔ جن کی وہ اتنی عزّت کرتی ہیں۔ جن کے چرنوں میں انہیں اتنی شردھا ہے۔ انہیں مہاتما یوگانند کے لئے مہاراج نے ایسی بات کہی۔ اس سے یوگانند کی نہیں خود مہارانی کی توہین ہوئی۔ یقیناً یوگانند بنے ہوئے سادھو نہیں ہیں۔ وہ جوان ہیں ضرور لیکن اُن کی آنکھوں میں جو روشنی ہے ماتھے پر جو جوتی ہے۔ اُن کی آتما میں جو چاندنی ہے۔ اُن کی باتیں سن کر دکھی سے دکھی آدمی بھی جس طرح شانت ہو جاتا ہے اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ بنے ہوئے سادھو ہیں۔ اتنے مہان۔ اتنے اچھے مہاتما کو بناوٹی سادھو کہنا پاپ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور یوگانند کو

یہ گالی کس لئے دی گئی۔ اس لئے کہ وہ مہارانی کے گرو ہیں۔ مہارانی کے دل میں اُن کے لئے بے انت شردھا ہے۔ وہ انہیں بھگوان سمجھتی ہے اُن کا یہ اپمان کیوں ہوا؟ اس لئے کہ انھوں نے مہارانی کے دکھتے ہوئے دل کو۔ اُس دل کو جو راج پاٹ سے خوش نہیں ہو سکا۔ دھن دولت سے خوش نہیں ہو سکا۔ راج کمار جگجیت جیسا جواں مرد، بہادر، ودوان اور شاعر بیٹا پاکر خوش نہیں ہو سکا۔ اس دل کو مہاتما یوگا نند کے اپدیش نے چند دنوں میں ہی اس طرح شانت کر دیا۔ اس طرح سکھی کر دیا جیسے جیٹھ کی جلتی ہوئی دوپہر میں پیاس سے بلکتے ہوئے کسی مسافر کو کوئی اٹھا کر میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی جھیل کے کنارے پہنچا دے۔ انہوں نے مہارانی کو اتنا کچھ کہہ دیا اتنا کچھ اور اس کے بدلے میں مہارانی کے کارن ہی انہیں ملا۔ اپمان۔ توہین۔ گالیاں۔ یہ سُن کر کہ وہ بنے ہوئے سادھو ہیں یقیناً یہ مہارانی کا اپمان ہے۔ اور مہاراج کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے انھوں نے سوچا "میں یہ اپمان نہیں سہوں گی۔ مہاراج کو گورو جی سے کھشما مانگنی ہو گی۔ انہیں اپنے شبد واپس لینے ہوں گے۔"

مہاراج کرودھ کی اس مورتی کو دیکھتے ہی آگے بڑھے اور پیار سے ہاتھ پھیلا کر کہا "مہارانی"! . . . .

مہارانی دھیمے سے بولیں "یہ سواگت نہیں مہاراج۔ گھاؤ پر نمک لگانے کی کوشش کر رہے ہیں آپ۔ جس کا اتنا اپمان کیا۔ بھرے دربار میں جس کی اس طرح توہین کی۔ اسے اب بھی دھتکار دیجئے نا۔ اس طرح بناوٹی سواگت کرنے کا فائدہ کیا ہے؟"

مہاراج گھبرا کر بولے "میں نے تمہارا اپمان کیا؟ لیکن کب؟ کیسے؟"

مہارانی نے سر اٹھا کر کہا "میرے گورو کا اپمان میرا اپمان ہے۔ یہ یہ گھور پاپ ہے مہاراج۔ یوگا نند جیسا مہاتما آج تک پیدا نہیں ہوا

کم سے کم میرے لئے نہیں۔ تب آپ نے بھرے دربار میں یہ کیوں کہا کہ وہ بنے ہوئے سادھو ہیں۔ کیا اُن کا ارادہ یہی ہے۔ کہ انہوں نے آپ کی رانی کے من میں وہ شانتی پیدا کی۔ جو آپ کا دھن، دولت، راج پاٹ، رعب حکومت کوئی بھی پیدا نہ کر سکا۔"

مہاراج اب سمجھے اور مُسکراتے ہوئے بولے۔ "عورت جب کسی پر شردھا کرتی ہے۔ تو دل و جان سے۔ اور نفرت کرتی ہے تو جیون کی ساری شکتی کے ساتھ۔"

مہارانی نے گرمجوش ہو کر کہا۔ "رہنے دیجئے اس کویتا کو۔ میں پوچھتی ہوں ......"

مہاراج مُسکراتے ہوئے جلدی سے بولے۔ "پوچھنے کی ضرورت نہیں مہارانی تم عورت ہو۔ میں مرد ہوں۔ عورت باہری روپ کو دیکھتی ہے۔ اور موہت ہو جاتی ہے۔ مرد اسی چیز کی اوپر سے، نیچے سے، اندر سے۔ باہر سے ہر طرف سے دیکھ بھال کرتا ہے۔ تبھی اُسے سویکار کرتا ہے۔"

مہارانی نے غصّے سے جلتے ہوئے کہا۔ "اور کیا آپ نے گورو جی کو اس طرح دیکھ لیا ہے؟ کیا اُن میں کوئی خرابی نظر آئی ہے؟ نہیں دیکھا۔ نہیں نظر آئی۔ تو پھر ایسی بے ہنگم اور پاپ سے بھری بات کیوں کہی گئی؟"

مہاراج آہستہ سے بولے۔ "یوگانند کو اندر سے میں نے نہیں دیکھا مہارانی۔ لیکن دوسرے بہت سے سادھوؤں اور سنتوں کو دیکھا ہے۔ اس دیکھنے کی بنا پر ہی میں کہتا ہوں۔ ان میں سے اکثر بنے ہوئے ہیں۔ تم چاہو تو میں یوگانند کا امتحان لے سکتا ہوں۔ تمہیں دکھا سکتا ہوں۔ کہ وہ کیا ہیں؟ اُن کی اصلیت کیا ہے؟"

مہارانی غصّے سے پاگل ہو کر بولیں۔ "امتحان۔ گورو دیو کا امتحان لیں گے آپ؟ کیوں پاپ کے بھاگی بن رہے ہیں؟ کیوں اپنے من کو اور اپنی

زبان کو ۔۔۔۔۔"

مہاراج جلدی سے بولے "میں مہاراج ہوں۔ مہارانی! ہر روز کتنے ہی لوگ۔ کتنے ہی مقدمے لے کر میرے پاس آتے ہیں۔ اگر انہیں سنے بغیر ان کا امتحان کئے بغیر میں فیصلہ دے دوں۔ تو کیا یہ انیائے نہیں ہوگا۔ تم چاہو تو میں یوگانند کا بھی امتحان لے سکتا ہوں۔ میں اُسے پرکھ سکتا ہوں۔ پرکھنے کے بعد اگر وہ کھوٹا تانبا معلوم ہوا۔ تو اس میں میرا قصور نہیں ہوگا۔ اگر وہ سچا سونا ثابت ہوا۔ تو میں اس کے چرنوں پر سیس رکھ کر معافی مانگ لوں گا۔ لیکن یہ امتحان صرف تمہاری اچھیا سے ہو سکتا ہے۔ صرف تمہاری اچھیا سے ۔۔۔۔ تمہاری آگیا سے۔ اگر تمہیں ڈر ہو۔ کہ تمہارے گورو اس امتحان میں پورے نہیں اتریں گے۔ تو مجھے کہو۔ امتحان نہیں ہوگا۔ تمہارے گورو اپنی جگہ قائم رہیں۔ تمہاری شردھا اپنی جگہ۔ لیکن اس حالت میں مجھ سے یہ مطالبہ کرنا کہ میں عام سادھوؤں کے متعلق اپنی رائے بدل دوں انیائے ہوگا۔"

مہارانی نے سوچتے ہوئے کہا۔ انیائے اب ہو رہا ہے۔ مجھے گورو دیو کے متعلق ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ آج۔ اسی وقت ابھی ان کا امتحان لے سکتے ہیں۔ دیکھ سکتے ہیں کہ ۔۔۔۔"

مہاراج نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ابھی نہیں مہارانی۔ ایسا امتحان پل بھر میں نہیں ہوتا۔ اس کے لئے وقت کی ضرورت ہے۔ اب جب تم نے اجازت دے دی ہے۔ تو کل سے ہی امتحان شروع ہوگا۔ لیکن ایک شرط اور ہے؟"

مہارانی نے پوچھا "کہئے"

مہاراج "شرط ہے یہ کہ تم یوگانند کو امتحان کی بات نہیں بتاؤ گی۔ یہ نہیں کہو گی۔ کہ اُن کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ جس طرح اب تم انہیں مانتی ہو

اسی طرح مانتے رہنا ہوگا۔ اسی طرح تا کہ انہیں کوئی فرق معلوم نہ ہو۔ جس چیز کی بھی اچھیا کریں۔ وہ انہیں دینی ہوگی۔ تمہارے دل میں چاہے کچھ ہو لیکن باہر سے بھگتی میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیئے۔"

مہارانی نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا " سو بیکا رہے مجھے لیکن میں یقین دلاتی ہوں۔ کہ آپ ڈر جائیں گے۔ آپ کو معافی مانگنی ہوگی۔"

مہاراج نے ہنستے ہوئے کہا " معافی مانگنے سے میں انکار نہیں کروں گا مہارانی۔ آؤ۔ اب اس غصے کو تھوک دو۔ راجکمار کا بیسواں جنم دن ہے۔ آج۔ آج اتنا غصہ ٹھیک نہیں۔"

(۲)

راجکمار جگجیت کے جنم دن کا اُتسو ختم ہو رہا تھا۔ مہاراج تھک کر اُٹھ آئے تھے۔ باہر بڑے بڑے سردار۔ آفیسر۔ وزیر اور سنیاسی اب تک شاہی رقاصہ ریکھا کا ناچ دیکھ رہے تھے۔ اب تک ہاتھوں میں پھول لئے باہوں میں پھول پہنے گلے میں پھول لادے۔ پاؤں میں جھانجھروں کے اوپر پھول باندھے ریکھا ناچ رہی تھی۔ محل کا باغ گیت اور موسیقی سے گونج رہا تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا۔ کہ موسیقی کی ایک ندی بہہ رہی ہے۔ اور اس میں ایک سجی ہوئی کشتی کی طرح راج نرتکی ریکھا بھی چلی جا رہی ہے۔

دفعتاً موسیقی بند ہوگئی۔ ناچ بند ہوگیا۔

مہاراج کا خاص دربان راج نرتکی کے پاس کھڑا تھا۔ آرٹ اور موسیقی کی اس مورتی کو پرنام کر کے اُس نے کہا " مہاراج نے بلایا ہے آپ کو۔

اس کا مطلب تھا کہ جلسہ ختم ہوا۔ سب لوگوں نے سر جھکا دیئے۔

ریکھا جھانجھروں کی چھن چھن کے ساتھ جلدی سے اس کمرے کی طرف بڑھی جہاں مہاراج سونے کا جتن کر رہے تھے۔ ریکھا نے جھک کر نمسکار کیا تو انہوں نے کہا " ریکھا! تم سے ایک کام آپڑا ہے۔ کوشش کے ساتھ کرنا

ہوگا اس کو۔"

ریکھا نے سر جھکا کر کہا۔"حکم کیجئے مہاراج! آپ کے کسی کام آسکوں۔ اس سے بڑھ کر میرا سو بھاگیہ اور کیا ہوگا؟"

مہاراج دھیان سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔"ہاں لیکن وہ کام تم خود نہیں کر سکوگی۔ عورت کو یہ بتانا کہ اس کی عمر کچھ زیادہ ہوگئی ہے۔ شاید ٹھیک نہیں۔ لیکن پھر بھی اصلیت اصلیت ہے۔"

ریکھا نے شرم سے سر جھکا دیا۔ وہ اپنے آرٹ کی ماہر تھی۔ موسیقی کی مہارانی تھی لیکن یہ سب کچھ حاصل کرنے میں اسے کتنے برس لگے تھے۔ یہ بھلانے سے بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔

مہاراج آہستہ سے بولے۔"تمہاری ایک لڑکی ہے۔ شاید۔ کیا نام ہے اس کا؟"

ریکھا نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔"میناکشی۔ مہاراج۔"

مہاراج بولے۔"ہاں۔ اب تو وہ بڑی ہوگئی ہوگی۔ کتنے برس کی ہوئی؟"

ریکھا نے ویسے ہی ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔"سولہ برس کی مہاراج۔"

اور مہاراج ہنستے ہوئے بولے۔"ٹھیک۔ میناکشی۔ بیٹھو ریکھا! ـ سے کچھ سکھایا بھی ہے یا نہیں ــ؟"

ریکھا نے فرش پر بیٹھتے ہوئے کہا۔"کچھ کچھ مہاراج۔ اگر آج ریکھا مر جائے تو آپ کا دربار سونا نہیں ہوگا۔"

مہاراج ہنستے ہوئے بولے۔ پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو۔ تمہیں ابھی مرنا نہیں ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں۔ اسے دھیان سے سنو۔"

اور ریکھا دھیان سے سننے لگی۔ اس نے کہا تھا۔"میناکشی کچھ کچھ جانتی ہے، لیکن یہ شاید اس لئے کہ وہ خود اپنے آرٹ کی ملکہ تھی۔ ناچنے اور گانے کے فن کو اُس نے اپنی انتہا پر پہنچا دیا تھا۔ اس کے مقابلے میں میناکشی جو کچھ

جانتی تھی۔ وہ یقیناً کچھ کچھ ہی تھا۔ لیکن دیکھنے والوں کا وشواس تھا۔ کہ جتنی کشش میناکشی میں ہے۔ اس کا ہزارواں حصہ بھی ریکھا میں نہیں۔ میناکشی کھلتی ہوئی کلی تھی۔ ریکھا پورا کھلا ہوا۔ مرجھانے کے قریب جاتا ہوا پھول۔ میناکشی کی آواز میں چاندنی رات کے اندر چاندی کے پہاڑوں سے بہتے ہوئے آبشاروں کی کشش تھی۔ اس کے رقص میں سیماب کی بے قراری تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہ چیز تھی۔ جسے دیکھنے والے جادو کہتے ہیں۔ جو بڑھاپے کو جوان بنا دیتا ہے۔ اور جوانی کو پاگل کر دیتا ہے۔ سبھاؤں اور محفلوں میں ابھی تک اس نے ناچنا شروع نہیں کیا تھا۔ پتوں کے پیچھے مُنہ چھپائے ہوئی کلی کی طرح اُس کا حُسن اور شباب موسیقی اور فن کا ہاتھ پکڑ کر گھونگھٹ میں مسکرا رہا تھا ریکھا اسے دیکھتی تو کہتی "تو لڑکی نہیں۔ امرت ہے۔ تجھے دیکھ کر مُردے جی اٹھیں گے۔"

اور میناکشی شرارت کے ساتھ کہتی تھی: "امرت یا زہر"

اور ایک بار راجکمار جگجیت نے اسے دیکھا تو اپنے محل میں بیٹھ کر لکھا۔ "امرت اس کے ہونٹوں پر۔ زہر اس کی آنکھوں میں۔ وہ مار بھی دیتی ہے۔ جلا بھی دیتی ہے۔"

(۳)

دوسرے دن۔ شام کے وقت۔ مہارانی اپنے محل کی کھڑکی میں کھڑی اس جنگل کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جہاں ایک ندی کے کنارے گورو دیو مہاتما یوگانند اکیلے ہی رہتے تھے۔ جنگلی جانوروں سے اُنہیں خوف نہیں تھا۔ کسی کی سیوا کی انہیں ضرورت نہیں تھی۔ ہر روز شام کے وقت کتھا سننے کے لئے آنے والے شہریوں کی انہیں پروا نہیں تھی۔ اپنے وقت پر وہ جھونپڑی سے باہر آتے تھے لوگوں کو بھگوان کا سندیش سناتے تھے۔ اور پھر اندر چلے جاتے تھے۔ اس وقت اس وقت بھی وہ کتھا کر رہے ہوں گے۔ نہیں۔ کتھا ختم ہو چکی ہو گی۔ اور ادھر

امتحان شروع ہو چکا ہوگا۔ اور جھارانی نے پتہ نہیں۔ کیوں گھبرا کر۔ پتہ نہیں کس سے کہا۔ سادھان گورودیو۔ پاپ آپ کے چرنوں سے لپٹنے کو آرہا ہے۔ اسے لپٹنے مت دیجئے۔ اپنے پوتر جسم کے ساتھ اسے چھونے کی اجازت مت دیجئے۔"

اور اسی وقت میناکشی نے یوگانند کے پاؤں چھو کر کہا "میرا گھر، میرا باہر سب کا آج انت ہو گیا۔ گورودیو۔ آج آپ کے اور بھگوان کے سوائے میرا کوئی نہیں رہا۔"

یوگانند پیار کے ساتھ بولے "نہیں دیوی! واپس جاؤ۔ یہ جنگل ہے۔ یہاں تمہارے رہنے کے لئے کوئی ستھان نہیں۔ کل کتھا کے وقت پھر آجانا۔ اس وقت جاؤ۔"

اور وہ اپنی کٹیا کے اندر چلے گئے۔ باہر سنسان جنگل شام کے سناٹے میں سانس لیتا ہوا معلوم ہونے لگا۔ سردی کی رات درختوں کے نیچے آکر کھڑی ہو گئی۔ ندی کی لہریں کانپ کانپ کر پانی کی چھاتی سے لپٹنے لگیں۔ اور ٹھنڈی ہوا درختوں کے نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے میں لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ میناکشی نے یہ سب کچھ دیکھا۔ تو اس کا جسم کانپ اٹھا۔ دل کانپ اٹھا۔ لیکن دل کے بھی اندر بیٹھا ہوا کوئی دھیرے دھیرے کہتا رہا "ڈر نہیں ہے۔ ڈر نہیں ہے۔ جہاں یوگانند جیسے مہاتما موجود ہوں وہاں ڈر نہیں ہے۔"

اسی وقت پورب سے چاند کی روشنی نکل کر درختوں کے اوپر پھیلنے لگی اور ساتھ ہی کٹیا کے اندر بیٹھے ہوئے یوگانند گانے لگے۔

اُس شیتل شیتل جیوتی میں، | تو کیوں دیکھے اندھیرا
آنکھیں کھول کے دیکھ سے پگلے | تیرے چاروں اور سویرا"

اور پتہ نہیں کیوں میناکشی کو ایسے معلوم ہوا۔ جیسے اندھکار ختم ہو گیا۔

خوف کا انت ہو گیا ہے۔ بے چینی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اور چاند کی کرنوں کے ساتھ لپٹ لپیٹ کر ایک مدھر اور میٹھی شانتی آسمان سے زمین پر اتر رہی آ رہی ہے۔ پتہ نہیں کیوں اپنے آپ کو بھول کر امرت جیسی آواز میں وہ گانے لگی۔

"آنکھیں کھول کے دیکھ رے پگلے
تیرے چاروں اور سویرا"

ایک بار۔ دو بار۔ کئی بار گایا اُس نے۔ آنکھیں موند کر۔ اپنے آپ میں کھو کر۔ ایک بے انت شانتی کا احساس کرتے ہوئے۔ اسی وقت اُس کا سپنا ٹوٹا۔ کسی نے کہا۔ "دیوی۔"

اور میناکشی نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سامنے یوگانند کھڑے ہیں ایسے جیسے آسمان سے اتر کر کوئی دیوتا آ کھڑا ہوا ہو۔ جیسے خود چاند انسان کی صورت بنا کر۔ کرنوں کا سہارا لے کر زمین پر آ پہنچا ہو۔ چاند کی کرنیں ان کے کندھوں تک جھولتے ہوئے سُنہری بالوں پر کھیل رہی تھیں اور اس کی دھیمی مدھر روشنی میں اُن کی وہ بڑی بڑی آنکھیں ایسے معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے امرت کی دو جھیلیں۔ میناکشی نے دونوں ہاتھ جوڑ سر جھکا دیا۔ دھیمے سے کہا۔ "گورو دیو!"

یوگانند اتاولے پن کے ساتھ بولے۔ "یہ کیا پاگل پن ہے۔ میں نے جب کہا تھا۔ کہ تم چلی جاؤ۔ پھر تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ — آدھی رات بیت گئی ہے۔ اب تم کیسے جاؤ گی گھر؟"

میناکشی کے دل میں آیا۔ آپ کا نام لیتی ہوئی۔ آپ کی مورتی کو یاد کرتی ہوئی میں اندھکار کے گہرے سمندر کو بھی پار کر جاؤں گی۔ — لیکن تبھی اُسے یاد آئی ماں ریکھا کی بات۔ مہاراج کا حکم۔ اور اس نے کہا۔ "مجھے گھر نہیں جانا ہے۔ مہاراج — مجھے اب کبھی بھی گھر نہیں جانا ہے۔ میرا گھر

آپ کے چرنوں میں ہے۔ میرا سنسار آپ کے چرنوں میں ہے۔ آپ کے اُپدیش نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میرا جیون بدل دیا ہے۔ راستہ بتادیا ہے آپ نے ـــ اب چلنے کی شکتی بھی دیجئے۔ میرا ہاتھ پکڑ کر چلا دیجئے اس مارگ پر۔ بھٹک نہ جاؤں کہیں۔ بھول نہ جاؤں کہیں۔"

یوگانند ایک گہری سوچ میں پڑ گئے۔ بولے ـــ" تمہاری بھاؤنا اچھی ہے میں اس کی تعریف کرتا ہوں۔ لیکن میرے پاس تمہارے رہنے کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ بہتر ہے۔ کہ تم چلی جاؤ۔"

مینا کشی نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا۔" مہاتما یوگانند بھی کیا میرے اور تیرے میں بھید کرتے ہیں ـــ جن کے لئے سارا سنسار ایک ہی ایشور کا روپ ہے ـــ وہ کیا مینا کشی کو ایشور سے الگ کچھ اور سمجھ کر دُور پھینک دیں گے؟ کیا وہ اس کی سوئی آتما کو جگانے کی کوشش نہیں کریں گے؟ کیا وہ اسے اپنے سا بنا کر اُس پرم برہم میں لین ہو جانے کا مارگ نہیں بتائیں گے۔ جس کا ایک روپ وہ خود بھی ہیں؟"

یوگانند اس دلیل کا جواب نہیں دے سکے۔ آہستہ سے بولے ـــ" تمہارا نام مینا کشی ہے؟ میں اب جا رہا ہوں۔ میرے ابھیاس کا وقت ہے۔ میں ندی میں اشنان کر کے اسی کے کنارے اپنا ابھیاس کروں گا۔ تم کٹیا کے اندر چلی جاؤ ـــ شاید وہاں کمبل ہو گا ایک ـــ اُسے اوڑھ لینا سردی بڑھ رہی ہے۔"

اور یہ کہکر وہ چلے گئے ـــ ادھر جہاں ندی سرسراتی ہوئی بہہ رہی تھی مینا کشی نے پتہ نہیں کیوں اُس جگہ سر جھکا دیا۔ جہاں ان کے پاؤں تھے۔ اور پھر اُٹھ کر کٹیا کے اندر چلی گئی۔

ـــــــــــــ (۲) ـــــــــــــ

یوگانند نے واپس آکر یہ نہیں دیکھا۔ کہ کٹیا کی صورت ہی بدل چکی ہے

میناکشی نے اُسے جھاڑ بُہار کر صاف کر دیا ہے۔ ہر چیز قرینے سے رکھی ہے
اُن کے سونے کا ستھان نیچے پتھر۔ اور مٹی اور سب کے اوپر کومل کومل گھاس اور پنکھ
ڈال کر اونچا بنا دیا گیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی نہیں دیکھا۔ کہ جنگلی پھولوں کی مالائیں
ان کی کٹیا کے ہر دروازے پر لٹک رہی ہیں۔ اُن کے آسن پر بھی پڑی ہیں۔
انھوں نے یہ بھی نہیں دیکھا۔ آج ان کا کھانا بہت جتن سے بنایا گیا ہے۔ اس
میں آج ایک رس ہے۔ ایک عجیب سواد ہے۔ یہ سب کچھ انھوں نے نہیں دیکھا
میناکشی نے بھی کچھ نہیں کہا۔ تھا کہ جب وہ سو گئے۔ تو وہ اُن کے پاؤں دبانے
لگی۔ انھوں نے اس کو منع نہیں کیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ گہری نیند سو گئے
رات بھر جاگتے رہتے تھے وہ۔ دن کا تھوڑا سا حصّہ سوتے تھے۔ جاگنے کے بعد
نہا دھو کر واپس آنے پر کٹیا سے باہر وہ کتھا کے ستھان پر بیٹھ گئے۔ لیکن انھوں نے
یہ محسوس نہیں کیا۔ کہ آج یہ ستھان بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ بہت جتن سے
سجایا گیا ہے۔

ایک دن گذر گیا۔ دو دن تین دن۔ میناکشی کے جتن کا انت نہیں تھا۔ یوگانند
کی لاپرواہی کا انت نہیں تھا۔ تب چوتھے دن کتھا شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے
ریکھا۔ اور اس کے کچھ ساتھی کٹیا کے باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ یوگانند نے پکار کر پوچھا
کون ؟

ریکھا نے باہر سے کہا۔ "میں ریکھا ہوں مہاراج۔ میں میناکشی کی ماں ہوں"
یوگانند نے باہر آ کر کہا۔ "ریکھا۔ ؟ میناکشی کی ماں ؟ میناکشی کون ہے ؟"
لیکن تب معاً انہیں یاد آ گیا۔ بولے "اوہ میناکشی۔ تم اس کی ماں ہو ؟"
ریکھا نے کہا "ہاں مہاراج۔ میں ریکھا ہوں۔ راج نرتکی ریکھا"
یوگانند ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے بولے "اچھی بات ہے۔ میں کیا کروں
تمہارے لئے"

ریکھا نے سر جھکا کر کہا "میں لُٹی جا رہی ہوں مہاراج۔ میرا سر ستیاناش ہو گا

ہے۔ میری رکھشا کیجئے۔

یوگانند سنجیدگی کے ساتھ بولے "سرب ناش۔ سرب ناش کیوں؟"

ریکھانے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "میناکشی میری بیٹی ہے مہاراج۔ میری ہی نہیں۔ میرے سارے رشتہ داروں کی امیدیں اس سے وابستہ ہیں۔ ہم نے اُسے پالا ہے۔ پڑھایا ہے۔ سکھایا ہے۔ اتنا بڑا کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ راجاؤں اور مہاراجاؤں کو موہت کر کے ہمارے گھر میں دھن اور دولت کی ندیاں بہا دے۔"

یوگانند ہنستے ہوئے بولے "خوب! میناکشی ایسا کرے گی!"

ریکھانے کہا "ہاں مہاراج۔ لیکن آپ نے پتہ نہیں اس پر کیا جادو کر دیا ہے۔ کتنے ہی دنوں سے وہ گھر پر نہیں گئی۔ کتنے ہی دنوں سے ہم نے اس کی صورت نہیں دیکھی۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کے پاس ہے۔ میں بھیک مانگنے آئی ہوں۔ کہ اُسے واپس جانے کے لئے کہئے۔ اُسے میرے ساتھ بھیج دیجئے۔ نہیں تو میں لٹ جاؤں گی۔ میرا سرب ناش ہو جائے گا۔"

یوگانند سنجیدگی سے بولے "وہ چلے تو لے جاؤ۔ میں نے کبھی روکا نہیں۔ مگر کسی کو کسی جگہ سے نکالنے کا ادھیکار تو مجھے نہیں۔ میرا نہ کوئی گھر ہے نہ بار ہے۔ یہ کٹیا بھی میری نہیں۔ پھر میں کسی کو کیسے کہوں کہ وہ یہاں رہے یا نہ رہے۔"

میناکشی ان کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ آتے ہی بولی۔ "ماں! تم کرپا کر کے جاؤ۔ میرا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ گوردیو کے سوائے سنسار میں میرا کوئی نہیں۔"

اور یوگانند جلدی سے کٹیا کے اندر جاتے ہوئے بولے "تم جانو اور میناکشی۔ میرا اس جھگڑے سے کوئی تعلق نہیں۔"

اور میناکشی نے کٹیا سے باہر آکر دھیمی آواز میں کہا "ماں! یہ انسان نہیں ہے پتھر ہے۔ اور اتنا خوب صورت پتھر۔ میرا جی کہتا ہے کہ ساری عمر اس کی پوجا کرتے ہوئے بتا دوں۔"

ریکھانے دھیمی آواز سے کہا "تو اس کو پاگل کرنے کے لئے آئی ہے۔ یا خود

پاگل ہونے ؟

میناکشی نے سر جھکا کر کہا :- جانتی نہیں ماں ! لیکن سچی بات یہ ہے کہ جب وہ سو جاتے ہیں تو میں ان کے چہرے کی طرف دیکھتی رہتی ہوں - جب وہ جاگ اٹھتے ہیں - تو ان کے پاؤں کو نہارتی رہتی ہوں - اتنی شانتی ہے اس کٹیا کے اندر - اتنا چین کہ میں نے جیون بھر میں کبھی محسوس نہیں کیا تھا ؟

ریکھا نے دانت پیس کر کہا :- پاگلوں جیسی باتیں مت کر - مہاراج کے کرودھ کو تو شاید نہیں جانتی - اُن کا حکم پورا ہونا چاہیئے - عورت دیوتا کو پاگل کر سکتی ہے - یہ تو محض اک انسان ہے - تمہاری ہار ہمارے فن کی ہار ہو گی - ہمارے آرٹ کی توہین ہو گی - اور مجھے یقین ہے کہ تم بیوقوف نہیں بنو گی - اچھا اب میں جا رہی ہوں - میرے آدمی دن میں کئی کئی بار تیرے پاس آئیں گے - جس چیز کی ضرورت ہو - ان سے کہہ دینا کچھ ہی دنوں میں یوگا نند کا کھانا پینا - رہنا سب بدل جانا چاہیئے ؟

(۵)

یوگا نند کھانا کھا رہے تھے - مسکراتے ہوئے بولے " میناکشی ! تمہاری ماں کہتی تھی تم دھن اور دولت کی ندیاں بہا دو گی - اس کے گھر میں ایسا کون سا بیوپار سیکھا ہے تم نے - ؟

میناکشی چونک کر بولی :- میں نے - میں نے مہاراج - ؟ میں تو کچھ نہیں جانتی "

یوگا نند ہنستے ہوئے بولے :- تمہاری ماں تو کہہ رہی تھی - اس کا سرب ناش ہو گیا ہے وہ لُٹ گئی ہے - ایسا کون سا گن ہے تم میں جس سے تم راجاؤں اور مہاراجاؤں کو موہت کرو گی ؟

میناکشی نے سر جھکا کر کہا :- ایسے ہی مہاراج - آپ کی دنیا سے الگ ایک اور دنیا کی بات ہے وہ "

یوگا نند سنجیدگی سے بولے :- " اور دنیا ؟ اور دنیا کون سی ؟

میناکشی نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا :- " وہ ہے ناچ اور گیت کی دنیا

— روپ اور جوانی کی دنیا۔"

یوگانند بولے — "اور تم ناچتی ہو؟"

میناکشی نے کہا "ایسے ہی تھوڑا سا۔ عورت کی جوانی اور روپ پر موہت ہو کر اُس کے ناچ اور گیت سے پاگل ہو کر بڑے بڑے راجا اور مہاراجا اپنے دھن کو اس طرح لٹا دیتے ہیں جیسے اس کی کوئی ہستی نہیں جس دولت کو وہ ہزاروں لڑائیاں کر کے ہزاروں لوگوں کا خون کر کے اکٹھی کرتے ہیں۔ اسی کو عورت کے ہونٹوں کی ایک ہلکی سی مسکراہٹ پہ نچھاور کر دیتے ہیں۔ لٹتے ہیں۔ اور خوش ہوتے ہیں۔ کہ ہم لُٹ رہے ہیں۔"

یوگانند مسکراتے ہوئے بولے — "خوب — اس لٹنے میں بھی آنند ہوتا ہے کیا؟"

میناکشی نے آنکھوں کو نیچا کئے ہوئے کہا "ہاں مہاراج — جتنا آنند آپ بھگوان کے چرنوں میں کھو کر حاصل کرتے ہیں۔ اتنا ہی وہ لوگ روپ اور جوانی کے چرنوں سے لپٹ کر حاصل کرتے ہیں۔"

یوگانند حیرت سے بولے — "سچ! — تب تم نے وہ آنند کیوں چھوڑ دیا؟"

میناکشی نے ہاتھ جوڑ کر کہا "اس کا جواب بھی کیا مجھے دینا ہوگا مہاراج؟ روپ اور جوانی کا آنند بے انت ہے۔ موسیقی کی لہروں پر ناچتا ہوا انسان بھگت نہیں بھگوان بن جاتا ہے۔ لیکن آپ کے اُپدیش نے میرے من کو جو شانتی دی ہے اُس کے بعد میں نے یہی سوچا ہے۔ کہ آپ کی سیوا میں ہی جیون بتا دوں۔ دھن اور دولت نشٹ ہو جاتے ہیں۔ لیکن من کی شانتی تو نشٹ نہیں ہوتی۔ ناچ اور گیت انسان کو سمادھی کی حالت میں پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن سمادھی بہت دیر تک تو نہیں رہتی"

یوگانند نے ہاتھ دھوتے ہوئے مسکرا کر کہا "تو باتیں تو خوب کرتی ہے — لوگوں نے تجھے خوب پڑھا دیا ہے۔ لیکن اب تمہیں میں پڑھاؤں گا۔ میں اپنا مارگ دکھاؤں گا۔ اور تم دیکھو گی۔ کہ یہ مارگ تمہارے مارگ سے ہزاروں گنا زیادہ سُندر اور سُہانا ہے —"

میناکشی کے دل سے یکایک دو آوازیں جاگ اٹھیں - ایک آواز نے خاموش زبان میں کہا "یہ مارگ مجھے دکھاؤ مہاراج - یہ مارگ مجھے دکھاؤ" دوسری نے اس سے بھی زیادہ خاموش زبان میں کہا "دیکھوں گی تم مجھے اپنے مارگ پر چلاتے ہو - یا میں تمہیں اپنے مارگ پر"

(۶)

ریکھا نے دھیان سے پڑھا میناکشی نے لکھا تھا -

"ماں!

کل ایک عجیب بات ہوئی - کتھا کے بعد مہاتما بوگانند اپنا مشہور گیت گا رہے تھے - -

آنکھیں کھول کے دیکھ رے پگلے

تیرے چاروں اور سویرا

باقی لوگ بھی گا رہے تھے - میں بھی گا رہی تھی - لیکن بوگانند کی آواز ایسے معلوم ہوتی تھی - جیسے امرت کی ندی بہہ رہی ہو - سننے والے اس طرح سے جھوم رہے تھے جیسے دنیا میں کوئی بھی دکھ - کوئی بھی شوک باقی نہ رہا ہو - ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے شانتی کی بارش ہو رہی ہے - جیسے ہزاروں دل مل کر ایک ہو گئے ہیں جیسے جنگل کے درخت - پھول پتے اور گھاس - سب زندہ ہو اٹھے ہیں - جیسے ندی کی لہریں ایک سے انت شانتی کے ساگر میں کھوئی مچا رہی ہیں — ایسا تھا ان کا گیت - ایسا تھا ان کا سندیش - لیکن کتھا کے بعد جب وہ کٹیا میں واپس آئے تو بولے — "میناکشی! تمہاری آواز میں بہت مدھرتا ہے" میں نے چونک کر کہا "مہاراج!" — وہ بولے — "ہونی بھی چاہیئے — تم نے فن سیکھا ہے - کسی دن ہم دیکھیں گے - اس فن کا پورا روپ کیا ہے؟" — اور آج - آج میں ناچوں گی - ہاں! آج کتھا کے بعد جب سب لوگ چلے جائیں گے - جب رات کے تیسرے پہر ان کا ابھیاس ختم ہو جائے گا - تب - میرے فن کا پورا روپ

زندہ ہو کر یوگراج کی کٹیا میں ناچ اٹھے گا۔ میرے جھانجھر بھیج دو۔ میرے سنگار کا سامان بھیج دو۔ لیکن پتہ نہیں کیوں — آج میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ آج امتحان کا آخری دن ہے۔ آج میں اُنہیں پاگل کر دینے کا جتن کر دوں گی۔ میں چاہتی ہوں۔ آج اپنے فن کے سوائے میں سب کچھ بھول جاؤں۔ لیکن پتہ نہیں کیوں آج مجھے سب سے زیادہ اپنا فن ہی بھولا جا رہا ہے — میناکشی —!

———(۷)———

دوسرے دن اُس نے لکھا:۔

"کل کی رات پورنما کی رات تھی۔ پورا چاند آسمان میں جگمگا رہا تھا۔ جنگل میں رات بھی دن معلوم ہوتی تھی۔ تیسرا پہر ہوا۔ میں نے دُور سے دیکھا۔ یوگانند ابھیاس کو ختم کر کے آ رہے تھے۔ اور تب اس سے پہلے کہ وہ کٹیا کے نزدیک آتے۔ وہ سب کچھ جو تم نے مجھے سکھایا ہے۔ یکایک جاگ اٹھا۔ رُوپ نے جوانی کو چوم لیا۔ جوانی پاگل ہو اٹھی۔ میرے پاؤں کے جھانجھر جھنک اُٹھے۔ میری آنکھوں کے پلک چمک اٹھے۔ میری باہوں کے گجرے گمک اُٹھے۔ یوگراج مہاتما یوگانند کی یہ سُنسان کٹیا راجہ کے محل کی طرح گونج اُٹھی۔ لیکن اس گونج کو میں نے نہیں سنا۔ میرے لئے جیسے کٹیا نہیں تھی۔ جنگل نہیں تھا۔ ایسے معلوم ہوا۔ جیسے وسیع نیلے آسمان میں جس کا کوئی ساحل نہیں۔ کوئی کنارہ نہیں — جہاں وقت کی ندی اُس ابتدا سے جس کا کوئی آغاز نہیں تھا۔ اُس انتہا تک جس کا کوئی انت نہیں ہوگا۔ لگاتار بہہ رہی ہے۔ جہاں چاند اور سورج۔ تارے اور سیارے، بادل اور بجلیاں، آندھیاں اور طوفان بچوں کی طرح کھیل رہے۔ جہاں روشنی اور اندھکار کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ڈوب جاتی ہیں۔ معاً کنول کا ایک پھول پیدا ہوا ہے — چراغ کی لَو کی طرح اُس کی کلی نیلے پانی پر جھوم اٹھی ہے — ناچ اٹھی ہے۔ کسی ایسے دیوتا کے سامنے جو دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے کہ روٹھے ہوئے دیوتا مان جائیں۔ اِس لئے کہ کلی اُن کے چرنوں کو چُوم کر اُنہیں میں کھو سکے۔ ایسا معلوم ہوا۔ کہ وہ کلی میں ہوں۔ دیوتا مہاتما یوگانند ہیں۔ اور کلی کی زندگی کا واحد مقصد دیوتا کے چرنوں پر نثار ہو جانا ہے

تب یکایک جیسے ہوش آ گیا۔ آنکھیں کھول کر میں نے دیکھا۔ کٹیا کے دروازے پر یوگانند کھڑے ہیں۔ ایسے جیسے کسی نے ان پر جادو کر دیا ہو۔ میں دوڑ کر ان کے پاس گئی۔ ان کے چرنوں میں بیٹھ کر سر جھکا دیا۔ اور دھیرے سے کہا "میں معافی چاہتی ہوں دیوتا!"
دیر تک وہ بولے نہیں۔ دیر تک وہ ایسے کھڑے رہے۔ جیسے سنگ مرمر کی ایک حسین مورتی کھڑی ہو۔ اور تب۔ تب جیسے صدیاں بیت جانے کے بعد انھوں نے کہا۔
"میناکشی! تم سچ ہی کہتی تھیں۔ ناچ انسان کو موہت کر دیتا ہے۔ کتنی ہی دیر سے مجھے ایسے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ میں سمادھی میں ہوں۔ اور سنسار کا حسن پاگل ہو کر میری آنکھوں کے سامنے ناچ رہا ہے۔"

میں نے ان کے پاؤں کو چھو کر کہا "میں معافی چاہتی ہوں دیوتا!"

وہ بولے "معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ میناکشی! میں بہت خوش ہوں۔ اتنا خوش کہ شاید پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اٹھو۔ پھر ناچو اور ہر روز ناچا کرو۔ میں دیکھوں گا تمہارا ناچ۔!

اور ماں! مجھے ایسا معلوم ہوا۔ کہ میں نے سنسار اور سنسار کے ایشور دونوں کو ایک ساتھ جیت لیا ہے۔ یوگانند کا یہ جھونپڑا آج سے رنگ محل ہے۔ یوگانند کوی ہیں۔ میناکشی کویتا ہے۔ یوگانند موسیقی ہیں۔ میناکشی رقص ہے۔ یوگانند پوجاری ہیں۔ میناکشی مورتی ہے۔ جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں ہیں۔ لیکن سینے میں ٹھوس چٹان کے سوائے اور کچھ نہیں۔ لیکن یہ میری جیت نہیں۔ یہ تو تمہارے فن کی جیت ہے۔ تمہاری شکشا کی جیت ہے۔ میں ثابت کرنا چاہتی تھی۔ کہ مجھے سکھانے میں جو وقت تم نے خرچ کیا۔ وہ ضائع نہیں ہوا۔ اور آج یہ ثابت ہو گیا ہے۔

میناکشی

---(۸)---

میناکشی نے حیران ہو کر کہا "آپ؟ اس وقت؟" یوگانند آہستہ سے بولے "ہاں۔ میناکشی!" ایسے معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ گھبرائے ہوئے ہیں

جیسے وہ بھاگتے ہوئے کہیں سے آئے ہیں۔ اور اُن کا سانس پھُول رہا ہے۔
میناکشی ساڑھی کے پلّے سے اپنے سینے کو چھُپاتی ہوئی بولی "یہ تو آپ کے بھجن کا وقت تھا نا؟"

یوگانند اس بچّے کی طرح جو کھلونے کو سامنے دیکھ رہا ہو۔ لیکن ہاتھ نہ لگا سکتا ہو اُتاولے ہو کر بولے "ابھیاس کا وقت۔ لیکن وہ تو مجھے یاد نہیں رہا۔ ندی کے کنارے پہنچا تو یاد آیا یہ تمہارے ناچنے کا وقت ہے۔ تب پتہ نہیں کیوں میں سب کچھ بھُول کر اِدھر چلا آیا۔ دیکھا تم سو رہی ہو۔ دیپک کی روشنی تمہارے چہرے پر بالوں پر اور بازوؤں پر گر رہی تھی۔ کتنی ہی دیر تک دیکھتا رہا۔ تب پتہ نہیں کیوں میں نے تمہیں ہاتھ لگا دیا۔ تمہاری نیند اُچاٹ ہو گئی۔ اچھا میں جاتا ہوں اب"

میناکشی نے جلدی سے اُٹھ کر اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور جلدی سے کہا "اب نہیں میرے دیوتا! ۔ اب نہیں میرے مہاراج ۔ آپ ناچ دیکھنے آئے تھے نا۔ آپ ناچ ہی دیکھیں گے ۔ آپ روز بھگوان کی پُوجا کرتے ہیں۔ میں آج کروں گی ۔ اپنے بھگوان کی پُوجا"

اور اُس نے جھونپڑی کے ایک کونے میں چھپا کر رکھی ہوئی ستار اٹھالی۔ یوگانند کے سامنے بیٹھ گئی۔ موتیا کی کلیوں جیسی اُس کی انگلیاں ستار کے تاروں پر ناچنے لگیں۔ پھول کی پتیوں جیسے ہونٹ ہلے ۔ اور جیسے امرت کا اک آبشار بہنے لگتا ہے چاندنی رات سے بھرے آسمان کے نیچے ایسے ایک گیت گونج اٹھا۔ ایک گیت جس میں جلوے نہ گانے والے کو ہوش تھی ۔ نہ سُننے والے کو ۔

اور اس کے بعد ـــ

دوسرے دن میناکشی نے اپنی ماں کو لکھا "اس کے بعد انہوں نے مجھے چوم لیا۔ یہ جھونپڑی اب ہمارے رہنے کے لائق نہیں رہی ہے پرسوں شام تک ہم شہر میں آجائیں گے ۔ میرا مکان بالکل صاف کرا دینا ہوگا۔ جہاں جس چیز کی ضرورت ہے اُسے رکھوا دینا ہوگا۔ فواروں کے پانی میں عطر ملا دینا ہوگا۔ پھولوں کی کیاریوں

کو دھو دینا ہوگا۔ داس اور داسیوں کو نئے لباس بنوا دینے ہوں گے۔ صراحیوں میں نئی شراب بھر دینی ہوگی۔ اور اس کے بعد۔"

(۹)

اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ وہ بھی سننا چاہتے ہوں تو سنیئے۔

یوگانند نے ہنستے ہوئے کہا "میناکشی! تمہیں ایک بات بتلاؤں؟"

میناکشی نے پانی سے بھرے گھڑے کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ بتلایئے مہاراج!

یوگانند سر جھکا کر بولے "میں نے ایک گیت لکھا ہے"

میناکشی نے دونوں باہوں کو اوپر اٹھا کر انگڑائی لیتے ہوئے کہا "او میرے کوی؟"

یوگانند تھوڑی دیر تک اُن گوری گوری باہوں کو دیکھتے رہے۔ ایسے جیسے پہلی بات بھول گئے ہوں۔ اور تب بولے "گیت بہت اچھا نہیں۔ شاید کویتا کے لحاظ سے ٹھیک بھی نہیں۔ لیکن جو کچھ میرے دل میں تھا۔ وہ میں نے لکھ دیا ہے"

میناکشی نے ہنس کر کہا "میں جانتی ہوں۔ میرے یوگانند جھوٹ نہیں بول سکتے۔ لیکن کہئے تو کیا لکھا ہے آپ نے؟"

یوگانند نے تاڑ کے پتے پر لکھی ہوئی کچھ لائنیں اُس کے آگے کر دیں۔ اور جلدی سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ میناکشی نے اُن لائنوں کو پڑھا۔ اُس گیت کو۔۔۔ جو یوگی کے خاموش سینے میں اس طرح جاگ اٹھا تھا۔ جیسے سردیوں کی صاف و شفاف چاندنی رات سے بھرے ہوئے آسمان میں طوفان گرج اٹھے۔۔۔ گیت کا مطلب کچھ اس طرح تھا۔

"مجھے کیا ہو گیا ہے؟"

"تو میری کون ہے؟"

"ماں نہیں۔ بہن نہیں۔ بیٹی نہیں"

"پھر بھی جی کہتا ہے۔ کہ تیرے سینے پر سر رکھ کر ہمیشہ کے لئے بے ہوش ہو جانے سے ہی جیون کی منزلِ مقصود مِل جائے گی۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آکاش کا سارا امرت مُدھر تا بن کر تمہارے ہونٹوں پر آ بیٹھا ہے۔"

"اور یُگ یُگ جگ کا متوالا پن نیلاہٹ بن کر تمہاری آنکھوں میں۔"

"اچھی بات ہے۔ ان آنکھوں کو دوسرے بھی دیکھتے ہیں۔ میں بھی دیکھتا ہوں"

"لیکن میرے ہی سینے میں یہ پاگل پن کیوں جاگ اُٹھا۔ کہ ان آنکھوں میں ہمیشہ کے لئے کھو جاؤں۔

"مجھے کیا ہو گیا ہے؟

تو میری کون ہے!——؟"

میناکشی نے تار کے پتے کو اپنی چھاتی کے ساتھ لگا کر دل ہی دل میں کہا۔ "میں جانتی ہوں تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ پیارے سنیاسی یوگانند۔ جسے تم سمجھ نہیں سکے اُسے پیار کہتے ہیں —— اور میں —— میں تمہاری کون ہوں؟ سچ ہی تو —— میں تمہاری کون ہوں؟ —— ماں نہیں —— بہن نہیں۔ بیٹی نہیں —— لیکن یوگی مہاراج —— دنیا میں ایک اور رشتہ بھی ہوتا ہے —— شاید وہ —— آج نہیں تو کل —— کل نہیں تو تیسرے دن۔

—————— (۱۰) ——————

تیسرے دن مہاتما یوگانند اس مکان کے ایک کمرے میں کھڑے جسے ریکھا نے خاص طور پر اُن کے لئے سجایا تھا۔ آئینے میں دیکھ دیکھ کر اپنے بال سنوار رہے تھے۔ ریکھا نے یہ کہکر اُن کی وہ بھوری بھوری اور سُنہری سی داڑھی کٹوا دی تھی کہ میناکشی اُسے پسند نہیں کرتی۔ اُن کے اُس گیروے چوغے کی جگہ بنارس کی ریشمی دھوتی دے لی تھی ماتھے پر راکھ کی جگہ چندن کا تلک لگا تھا اور بالوں میں دھونی کی بھسم کی بجائے عطر

ریکھا نے انہیں بال سنوارتے ہوئے دیکھا۔ تو مُنہ پر رومال رکھ کر ہنسی کو دباتی ہوئی باہر کو بھاگی۔ باہر آتے ہی اُس نے مہاراج کے پاس سندیسہ بھیجا "یہاں آیئے اور اپنے یوگیراج کو دیکھئے"۔

مہاراج نے سب کچھ سُنا تو ہنستے ہنستے بولے "وہاں جانے کی ضرورت نہیں" اور ہنستے ہنستے ہی وہ مہارانی کے پاس گئے۔ انہیں سب کچھ سُنا کر بولے "اب کہو مہارانی!"

لیکن مہارانی کچھ کہہ نہیں سکیں۔ مہاراج نے جو کچھ بعد میں سُنایا۔ اُسے وہ اپنی داسی سے پہلے ہی سُن چکی تھیں۔ آج اُن کی ہار ہوئی تھی۔ آج انہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے زمین اور آسمان۔ محل کی دیواریں اور چھت، نوکر اور چاکر سب کے سب اُن کی طرف دیکھ کر ہنس رہے ہوں۔ ایسے معلوم ہُوا جیسے اُن کی حقارت سے بھری ہنسی تیر بن کر اُن کے سینے میں چُبھتی جا رہی ہو۔ ایسے معلوم ہُوا جیسے وہ سب کے سب چلا چلا کر کہہ رہے ہوں "تمہارے گورو دیو! تمہارے گورو دیو!"

دونوں ہاتھوں سے اپنے مُنہ کو ڈھانپ کر وہ پُورے زور کے ساتھ چلا اٹھیں۔ مہاراج نے اُن کے ہاتھ ہٹائے تو دیکھا ہاتھ۔ گال اور آنکھیں آنسوؤں سے بھرپور ہیں۔

(۱۰)

اور محل میں جب مہارانی رو رہی تھیں تو ریکھا کے مکان میں یوگانند کے کمرے کے باہر کھڑی میناکشی بھی رو رہی تھی۔ دروازے میں کھڑی وہ دیکھ رہی تھی یوگانند اپنے بال سنوار رہے ہیں۔ اپنی ریشمی چادر پر عطر لگا رہے ہیں۔ اور بار بار اُس گلاس کو اُٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیتے ہیں۔ جس میں ریکھا نے اُن کے لئے شراب بھر دی تھی۔ وہ کھڑی تھی اور آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ بار بار آسے وہ یوگانند یاد آتے تھے جو دُنیا سے دُور جنگل میں بیٹھے اپنے ہی آپ میں مست ہو گُنگناتے رہتے تھے۔

اس شیتل شیتل جیون میں
تو کیوں دیکھے اندھیرا
آنکھ کھول کے دیکھ رے پاگل
تیرے چاروں اور سویرا

آج وہ سویرا کہاں ہے؟ وہ شیتل جیون کہاں ہے؟ وہ یوگا نند کہاں ہیں؟ آج سورگ کا دیوتا نرک کا کیڑا بننے کے لئے بے تاب ہوا اٹھا ہے۔ آج آسمان اپنی بلندیوں سے اتر کر زمین کی دھول میں کھو جانا چاہتا ہے۔ اور یہ سب کچھ کس کے لئے؟ کس کی وجہ سے ـــ

"میرے لئے" میناکشی نے روتے ہوئے سوچا۔ "یہ سب کچھ میری وجہ سے ہے"

اور اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ جیسے اندر ہی اندر اسے کوئی چھریوں سے کاٹ رہا ہے۔

اس وقت پیچھے سے آ کر ریکھا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ آہستہ سے بولی: "میرے ساتھ آؤ مینا!"

اور پرے لے جا کر اس نے کہا: "آج تو رو رہی ہے۔ آج جبکہ تجھے ہنسنا چاہئے.. جب کہ تیری اتنی بڑی جیت ہوئی؟"

میناکشی اور برداشت نہیں کر سکی۔ چلا کر بولی: "یہ جیت نہیں ہے ماں! یہ بدنصیب ہار ہے۔ میرے ہاتھوں سے تم نے ایسا پاپ کرایا ہے۔ جیسا آج تک نہیں ہوا تھا۔ کسی بھی وقت تمہارا بھلا نہیں ہو گا۔ تمہیں سکھ نہیں ہو گا۔ تمہیں شانتی نہیں ملے گی"

ریکھا نے اس کے دونوں کندھے پکڑ کر کہا: "تم پاگل تو نہیں ہو گئیں۔ وہ بدمست ہو کر ہنس رہا ہے۔ اور تم رو رہی ہو"

میناکشی نے یوگا نند کے کمرے کی طرف ڈرتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ

کر کہا۔
"وہ ہنس رہے ہیں ضرور — لیکن اُن کا ایشور رو رہا ہے۔ اُن کی آتما رو رہی ہے۔ اُن کی جنگل میں کھڑی وہ سنسان جھونپڑی رو رہی ہے جس کے جیون کو میں یہاں کھینچ لائی ہوں۔"
اور تب دونوں ہاتھوں سے منہ کو ڈھانپ کر سسکیاں بھرتے ہوئے اُس نے کہا۔ "یہ میں نے کیا کیا؟"
اور اس سے پہلے کہ ریکھا اُسے کچھ کہتی وہ چلاتی ہوئی پرے بھاگ گئی۔ ایسے جیسے ہزاروں زہریلے بچھو اُس کے پاؤں کے نیچے آ کر پھنکار اٹھے ہوں۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اور سرہانے کے نیچے سر چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو اٹھی۔

۱۲

ریکھا نے دروازے پر تھپکی دیتے ہوئے آواز دی — "مینا!"
جواب نہیں ملا تو اُس نے پھر کہا۔ "میناکشی! باہر راجکمار جگجیت آئے ہیں۔ تم سے ملنے کے لئے۔"
میناکشی نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ ریکھا نے مضبوط لیکن دبی ہوئی آواز میں کہا — "تم روئے جا رہی ہو۔ اور باہر راجیہ کی سب سے بڑی شکتی تمہاری جوانی کے قدموں پر پھول چڑھانے کو بے قرار ہے۔"
میناکشی نے روتے ہوئے کہا — "تم جاؤ — ماں! — مجھے کسی سے ملنا نہیں ہے۔"
ریکھا نے غصّے کے ساتھ کہا۔ "ملنا کیسے نہیں — اور میں جا بھی نہیں سکتی دروازہ کھولو۔ نہیں تو میں اسے تڑوا دوں گی۔"
مینا نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔
اُس کے بال کھلے تھے۔ آنکھیں رو رو کر لال ہو گئی تھیں۔

پاگل کی طرح دروازے میں کھڑے ہو کر اُس نے پوچھا "کیا کروں؟"

ریکھا نے پیار سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "پاگل نہ بنو۔ ایک کنگال بھکاری کے لئے اس طرح بے چین ہونا ہم لوگوں کو شوبھا نہیں دیتا۔ راجکمار تمہارا ناچ دیکھنے آئے ہیں۔ تمہارے لئے ایک نیا گیت لکھ کر لائے ہیں۔"

میناکشی کے روتے ہوئے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آگئی۔ دھیمی آواز میں بولی "میرا ناچ دیکھنے آئے ہیں۔ میرے لئے گیت لکھ کر لائے ہیں؟"

ریکھا نے اُس کے گلے میں بازو ڈال کر کہا "ہاں۔ ہاں۔ مینا! تو چل۔ دیش کے ہونے والے مہاراج تیرے چرنوں پر اپنا سیس جھکانے آئے ہیں اپنا گیت انہوں نے مجھ کو سنایا ہے۔ اتنا سندر۔ اتنا میٹھا۔ اور سن۔ ایسا ناممکن نہیں کہ راجکمار مہاراج بنتے ہی تمہارے ساتھ شادی کر کے تمہیں اپنی مہارانی بنالیں۔"

میناکشی نے ویسے ہی پاگلوں کی طرح ہنستے ہوئے کہا۔ "میں مہارانی؟"

ریکھا نے اُسے اپنے ساتھ چلاتے ہوئے کہا "ہاں۔ دنیا میں ناممکن کیا ہے۔ چل یہ آنسو پونچھ دے۔ بالوں کو ٹھیک کر لے۔ کپڑے بدل ڈال۔ آج ایسے ناچ کہ راجکمار مسحور ہو اٹھیں۔"

میناکشی نے چونک کر کہا "ناچ! ہاں ناچنا تو مجھے ہے۔ اتنا اچھا ناچنا ہے اتنا اچھا ناچنا ہے کہ۔ ماں! میں ناچوں گی۔ تم میرا سنگار کرو۔ اس طرح سنگار کرو کہ اپنے آپ کو دیکھ کر خود میں بھی مدہوش ہو جاؤں۔ میری آنکھوں میں سے سورگ جھانکنے لگے۔ میرے ہونٹوں پر جُگ جُگ کا بھولا ہُوا گیت جاگ اُٹھے میرے ہاتھوں کی انگلیوں میں شباب کے محو خواب اشارے جاگ اٹھیں۔ اور میرے پاؤں میں جھانجھر۔ سونے کے جھانجھر۔ چاندی کی گھنٹیوں جیسی آوازیں اس طرح اٹھیں۔ جیسے اندھیری رات میں نئے اُگتے ہوئے چاند کی کرنیں ہزاروں دوشیزاؤں کی طرح جاگ اٹھتی ہیں۔"

اور ریکھا جلدی جلدی اُس کا سنگار کرنے لگی۔ اُس کے جسم کو اُس نے مہکتی ہوئی خوشبو میں بسا دیا۔ اُس کی آنکھوں میں کاجل ڈال دیا۔ اُس کے بالوں میں پھول لگا دیئے۔ اُس کے ہونٹوں پر ــ

اور باہر راجکمار جگجیت انتظار کرتے رہے۔ تھوڑی دیر گذری۔ بہت دیر گذری۔ کتنی ہی دیر ہو گئی۔ معاً جھانجھروں کی آواز سے ریکھا کا محل جیسا مکان گونج اُٹھا۔ راجکمار نے شوق بھری آنکھوں سے دروازے کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ــ کہ ریکھا سر جھکا کر چپ چاپ کھڑی ہے۔

راجکمار کھڑے ہو گئے۔ جلدی سے بولے ــ اور مینا مینا کہاں ہے؟"

ریکھا نے فرش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" وہ نہیں آئے گی راجکمار۔ اُس نے مجھے برباد کر دیا ہے ــ وہ پاگل ہو گئی ہے۔ وہ یوگانند کے پاس چلی گئی ہے"

۱۳

اور یوگانند کے سامنے کھڑی میناکشی نے کہا" میرے دیوتا ناچ دیکھیں گے کیا؟"

یوگانند ہنستے ہوئے بولے" ہاں ــ میناکشی! تمہیں نے تو کہا تھا۔ اصل ناچ اپنے گھر میں چل کر دکھاؤں گی ــ؟"

میناکشی نے سر جھکا کر کہا" ہاں۔ مہاراج! اُسی کے لئے آئی ہوں۔ لیکن یہ ناچ بہت کٹھن ہے۔ اس سے پہلے کہ اُسے شروع کروں۔ یہ بتانا ضروری ہو گا ــ کہ ناچ کیا ہے ــ"

یوگانند بچوں کی طرح ہنستے ہوئے بولے" ضرور بتاؤ ــ میں ہوں ایک چھوٹا سا بالک۔ تم ہو گورودیو ــ پہلے مجھے شکشا دو ــ"

میناکشی نے آہستہ سے کہا" ہاں ــ آپ ایک چھوٹے سے بالک ہیں آپ کچھ بھی نہیں جانتے۔ آپ نے دیکھی ہے صرف اپنی وہ شانت اور خاموش جھونپڑی۔ آپ نے دیکھا ہے ندی کا کنارا لیکن اس جھونپڑی سے باہر ــ

سنسار کی ندی میں کیا ہو رہا ہے۔ یہ آپ نہیں جانتے۔ آپ نے سمجھا ہے۔ کہ دنیا میں صرف سُکھ ہی سُکھ ہے۔ صرف شرافت ہی شرافت ہے۔ نیکی ہی نیکی ہے۔"

یوگا نند اسی طرح بھولے پن کے ساتھ بولے۔" میں تو یہی سمجھتا آیا ہوں لیکن اس کا ناچ سے کیا تعلق؟"

مینا کشی نے اپنے پاؤں کی جھانجھروں کو ہلاتے ہوئے کہا۔" میرا ناچ دنیا کا ناچ ہے مہاراج — وہ چیخوں میں شروع ہوتا ہے۔ اور چیخوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ بچہ پیدا ہو تو وہ خود روتا ہے۔ مر جائے تو دوسرے روتے ہیں۔ ان چیخوں کے درمیانی عرصے کا نام ہی جیون ہے۔ انسان کوشش کرتا ہے۔ کہ ان چیخوں کی یاد کو بھلا دے۔ پہلے جو رو دیا تھا۔ اسے بھول جائے۔ آگے جو رونا ہے اس کا خیال نہ کرے۔ اس طرح جیون کا ناچ زمین کے سینے پر تڑپ اٹھتا ہے۔ شراب اور حُسن۔ جوانی اور دولت — عزت اور حکومت۔ کتنے ہی طریقوں سے یہ ناچ ہوتا ہے — لیکن آخر کار انت کیا ہے — ایک چیخ جو ابتدا سے شروع ہے۔ اور انتہا تک جاری ہے۔ ایک چیخ جسے ہم موت کہتے ہیں۔ جس کا کوئی علاج نہیں — جسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اس کی آغوش میں جاتے ہی شراب کا نشہ ختم ہو جاتا ہے۔ حسن اور جوانی بے ہوش ہو کر بدصورت ہو جاتے ہیں۔ دولت اور حکومت تباہ ہو کر راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہے۔"

یوگا نند ہنستے ہوئے بولے۔" سچ تو یہی ہے۔ اسی لئے انسان کو کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ وہ دوسروں کو سکھی رکھے۔ چیخوں کے درمیانی عرصہ کو مسکراہٹوں سے بھر دے۔"

مینا کشی چونک کر بولی۔" مہاراج!"

یوگا نند ویسے ہی بچوں کی طرح ہنستے ہوئے بولے۔" ہاں مینا کشی دھرم

یہی ہے۔ اگر میں دوسرے کو سُکھی نہیں کر سکتا۔ تو میرا اپنا سکھی رہنا بے کار ہے میری اپنی ہنسی محض اُن آنسوؤں کا انتظار ہے۔ جو موت کے ساتھ چپٹے ہوئے ہیں — ہر جگہ میں ہی جیت جاؤں — ایسی اچھیا کر کے انسان دوسرے کو دُکھی کرتا ہے۔ کئی بار سُکھ اسی میں ہوتا ہے۔ کہ ہم خود ہار جائیں۔ تاکہ دوسروں کو جیتنے کی خوشی ہو۔"

میناکشی کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا۔ وہ فرش پر بیٹھ گئی — یوگانند کی طرف دیکھتی ہوئی اُس کی بڑی بڑی آنکھیں جیسے پوچھ رہی تھیں — "آپ کا مطلب — آپ کا مطلب کیا ہے؟"

اور یوگانند کہتے رہے — "تم میری جھونپڑی میں آئیں۔ مہاراج کے کہنے پر آئیں — مہارانی کو ہرانے کے لئے آئیں — کیا یہ سب کچھ میں نہیں جانتا لیکن مہارانی کی جیت سے صرف مہارانی کو خوشی ہوتی۔ دُکھ ہوتا مہاراج کو دیکھا کو — تم کو — اسی لئے میں نے ہارنا ہی ٹھیک سمجھا۔ لیکن آج یہ نیا پاگل پن کیا ہے۔؟ تم جیت کر بھی خوش نہیں۔"

میناکشی نے اُن کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ اور آہستہ سے کہا — "گورو دیو!"

یوگانند مسکراتے ہوئے بولے — "سمجھا۔ آج تمہیں ہارنے سے خوشی ہو گی آج میں واپس جاؤں گا۔ میری جھونپڑی میرا انتظار کر رہی ہے۔ اور دیکھو دنیا اتنی بُری نہیں ہے۔ جتنا اُسے تم نے سمجھا ہے — دوسروں کو سکھ دو۔ تمہیں سکھ ملے گا۔ دوسروں کو ہنساؤ — تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگے گی —"

اور جب وہ پرے ہٹے۔ تو میناکشی نے سر اٹھا کر کہا — "مہاراج!" لیکن وہ رُکے نہیں۔ میناکشی وہیں بیٹھی رہی۔ اور وہ باہر چلے گئے — اُن کے باہر جاتے ہی ریکھا نے اندر آ کر کہا — "اب تو چل — راجکمار

اب تک انتظار کر رہے ہیں "
میناکشی نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا " اُن سے کہو - میناکشی اب کبھی نہیں ناچے گی - اُس نے ہار اور جیت کا ایک ایسا ناچ دیکھا ہے - جیسا نہ آج تک کبھی ہُوا تھا نہ آگے کبھی ہو گا "

(ختم شد)

۲

عالمِ خواب

مادھو کہاں سے آئے۔ کہاں کے رہنے والے تھے؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ دنیا کو جو کچھ معلوم تھا وہ صرف یہ کہ۔ ایک دن وہ پرتیت نگر کے مہاراج پرودمن سنگھ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ مہاراج کے درشنوں کی ابھیلاشا ظاہر کی۔ اور جب یہ ابھیلاشا پوری ہو گئی تو بولے۔ مہاراج! میں ہوں ایک مسافر۔ یہ سُن کر چلا آیا ہوں۔ آپ کے پاس کہ آپ کو گیتوں سے محبت ہے۔ میں بھی گیت لکھتا ہوں۔ شاید وہ آپ کو پسند آ جائیں۔ اور میرا یہ در در کا بھٹکنا ختم جائے گا

مہاراج بولے "نوجوان! میں گیتوں کو پسند کرتا ہوں ضرور۔ لیکن تم صرف شاعر معلوم نہیں ہوتے۔ تم تو سپاہی ہو!"

مادھو نے کہا۔ سچ ہے مہاراج! میں کھشتری ہوں۔ شاعری میرا پیشہ نہیں تھا لیکن بن گیا ہے۔ میں دنیا کو ایک فاتح سپاہی کی تلوار سے بہتی خون کی دھارا سے نہیں۔ بلکہ موسیقی اور شعریت کے پھولوں کی خوشبو سے بھر دینا چاہتا ہوں۔ جی کرتا ہے یہ دنیا پیار اور محبت کی وادی بن تخیل بلند اور موسیقی لاپناہ کے سائے تلے جاگ اٹھے۔ جی کرتا ہے۔ مہاراج! میں گاؤں اور سننے والوں کے دل میں سپنوں کے طوفان بپا ہو جائیں "

مہاراج مسکرائے۔ بولے۔ مادھو! تمہاری اچھیا پوری ہوگی۔ آج سے تم اس دربار کے نوکر ہوئے۔ آج سے تمہیں دس روپے ماہانہ تنخواہ ملے گی۔ اس لئے آج پہلا گیت "

مادھو نے کہا۔ میرا پہلا گیت تیار ہے۔ صرف ایک بینا چاہیئے!

بینا دے دی گئی۔ مادھو نے گانا شروع کیا۔

جاگ

اے میرے عالم جواب!
اے میرے سپنوں کی دنیا!
جاگ
جاگ اے طوفان شعریت!
اے سیلاب موسیقی!
جاگ
جاگ کہ دنیا آج تیرے لئے بے تاب ہے
وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھی ہوئی
چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں محو
تیرے تخیل لامثال کے لئے بے قرار ہے
آ۔ ہم دونوں۔ مل کر اس دنیا میں ایک نئی دنیا

آباد کریں۔
آ ہم دونوں مل کر یہ زنجیریں توڑ دیں
یہ دیواریں فنا کر دیں
آ ہم پھولوں ستاروں ۔ لہروں اور شبنم کے قطروں سے
اک نیا گیت تیار کریں اور اس دنیا کو پاگل کر دیں گ

سارے دربار نے ایک ٹک ہو کر یہ گیت سنا ۔ مہاراج نے بھی سنا لیکن اس سے پہلے کہ مہاراج کچھ کہتے ۔ مہاراج کے پیچھے ۔ ایک کھڑکی میں کھڑا کوئی کہہ اٹھا ۔ دھنیہ ہو ۔ کوی !

مادھو نے سر جھکا کر کہا " راجکماری ! میرا گیت سپھل ہوا !

راجکماری امرت نے کب محل میں یہ گیت سنا ۔ کب وہ آ کر مہاراج کے پیچھے کھڑی ہو گئیں ۔ یہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہوا ۔ شاید مادھو کو بھی نہیں ۔ مہاراج کو بھی نہیں ۔ انہوں نے ایک بار مسکرا کر راجکماری کی طرف دیکھا ۔ اور پھر مادھو کو کہا ۔ کوی ! ہم سے غلطی ہوئی ۔ تمہاری تنخواہ دس روپے نہیں ۔ سو روپے ہوگی ! اور ہماری اچھیا ہے کل صبح جب ہم اٹھیں تو تمہارا گیت سن کر اٹھیں ۔

مادھو نے سپاہیانہ ڈھنگ سے سلام کر کے کہا " مہاراج کی سبھی اچھیائیں پوری ہوں "

اسی روز مادھو کے لئے ایک مکان کا فیصلہ کر دیا گیا محل کے نزدیک ہی ۔ اور تب سے اب تک مادھو لگاتار ترقی کرتے گئے ۔ یہاں تک کہ آج وہ راج کوی ۔ شاہی شاعر تھے ۔ اور ان کے گیت دنیا میں طوفان بپا کر رہے تھے ۔ جذبات کے طوفان مادھو خوش تھے، مہاراج خوش تھے ۔ شعریت اور تخیل سے پیار کرنے والا ہر آدمی خوش تھا لیکن یہ خوشی ہی کئی لوگوں کے لئے جلتے ہوئے غم کی دنیا آباد کر رہی تھی ۔ یہ لوگ تھے پرتیت نگر کے پہلے راج کوی شری شیکھر اور اس کے ساتھی ۔

شیکھر نے بہتیرا جتن کیا کہ دربار میں اپنے ساتھیوں کا ایک گٹھ جوڑ سا بنا لیا ۔

جب کبھی شیکھر کوئی چیز سناتے تو یہ سب لوگ واہ واہ کہہ اٹھتے۔ تعریف کے پل باندھ دیتے۔ لیکن یہ تعریف دربار تک ہی محدود رہتی۔ دوسری طرف مادھو جو کچھ کہتے وہ دوسرے ہی دن شہر بھر میں ضرب المثل بن جاتا۔ لوگ اسے اس طرح گاتے پھرتے جیسے وہ ان کی برسوں کی جانی پہچانی چیز ہے۔ اسی لئے شیکھر جہاں روز بروز نیچے گرتے گئے۔ وہاں مادھو بلندیوں پر پہنچتے رہے۔ شیکھر کے لئے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا وہ دل ہی دل میں جل رہے تھے۔ انہیں یقین تھا۔ کہ مادھو کے گیتوں میں کوئی بھی نئی بات نہیں۔ کوئی بھی بلندی نہیں کوئی بھی خوبصورتی نہیں۔ تو پھر مہاراج اسے کیوں پسند کرتے ہیں؟ کیوں وہ ہر روز اسے محل میں بلاتے ہیں؟ کیوں وہ نت نئے دن اس کی نئی ترقی کرتے ہیں؟

جے پال بھی شاعر تھے۔ انھوں نے ایک رات آکر کہا "شیکھر! جس بات کو کوئی بھی نہ سمجھ سکا تھا۔ اُسے آج سمجھ سکا ہوں"

شیکھر جلدی سے بولے "وہ کونسی بات؟"

جے پال نے کہا "یہی کہ مہاراج مادھو کے گیتوں کو کیوں پسند کرتے ہیں۔ کیوں اسے اس قدر ترقی دی گئی ہے؟ کیوں ۔ ۔ ۔ ۔"

"شیکھر بولے۔ لفاظی چھوڑو۔ بات کہو!"

جے پال نے کہا "مادھو کی ترقی کا راز ہے۔ امرت۔ راجکماری!"

شیکھر اس کا کندھا پکڑ کر بولے "کیا؟"

جے پال نے کہا۔ "یہ دیکھو۔ یہ اس کا ایک گیت ہے۔ وہ اپنے گھر میں گا رہا تھا: میں باہر کھڑا سنتا رہا۔ سنو۔!"

اور اس گیت کا مطلب کچھ اس طرح تھا۔

"راج محل کی چھت پر آج معاً چاند طلوع ہوا۔

میرے پیار کی دنیا آباد ہو اُٹھی امرت۔ امرت۔

ایسے معلوم ہوا جیسے امرت کی دھارا اس چاند سے بہہ کر

مجھے اپنی لہروں میں غرق کئے دیتی ہے۔
چاند! ۔ تونے دنیا کو پاگل کیا۔ اپنی خوبصورتی سے۔
میں تجھے پاگل کر دوں گا۔ اپنے گیتوں سے۔ ایک دن تو چپ چاپ میرے جھونپڑے کے در پر آ کھڑا ہوگا۔ میرے گیتوں کی ندی بہتی رہے گی۔ اور اس کی ہر موج پر تیرے حسن کی لہریں ناچ اٹھیں گی۔۔۔۔!
شیکھر اس گیت کو سن کر بولے ۔ اب سمجھا۔ باپ بیٹی کی سفارش کو رد نہیں کر سکا اور بیٹی مادھو کا چاند ہے۔
جے پال نے کہا "ٹھیک ہی بات ہے"۔
شیکھر نے کہا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کی تباہی کا اصلی کارن راجکماری امرت ہے۔ اور تب وہ دانت پیس کر بولے۔ راجکماری امرت۔ جے پال! میں اسے تباہ کر دوں گا۔ اور اس کی تباہی مادھو کی بھی تباہی ہوگی"۔

(۲)

یہ سب کچھ کیسے کرنا ہوگا۔ اس کا فیصلہ کرتے شیکھر کو دیر نہیں لگی۔ پرتیت نگر کے پاس ہی وجے پور کی ریاست تھی۔ وہاں کے مہاراج چندر سین کو نت نئے بیاہ کرنے کا ایسے ہی شوق تھا۔ جیسے کسی بچے کو نت نئے کھلونوں کا۔
شیکھر نے بوریا بستر باندھا۔ اور ایک دن وجے پور جا پہنچے۔ مہاراج چندر سین کو جب پتہ لگا کہ پرتیت نگر کے پہلے راج کوی آئے ہیں۔ تو وہ خوش ہوئے۔ شیکھر کو دربار میں رکھ لیا۔ اب شیکھر چندر سین کی نار ہوس کو سلگانے کا جتن کرنے لگے۔ ہر روز وہ انہیں گیت سناتے۔ اور ہر بار ان گیتوں میں صرف ایک ہی بات ہوتی۔ تعریف حسن۔ چندر سین کے لئے یہ کچھ نئی بات نہ تھی۔ اس قسم کے گیت انہوں نے پہلے بھی کئی بار سنے تھے۔ شاعر کے تخیل کی دیوی حسین۔ مہ جبین اٹھتی جوانیوں سے بھرپور۔ آنکھوں میں نے کے ساغر لئے۔ ہونٹوں پہ آب حیات کی لوٹیا لنڈھائے کتنی ہی بار شریت کا لباس زیب تن کر کے ان کے تخیل کی دنیا

میں ناچتی تھی۔ تعریفِ حسن مہاراج چندرسین کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہاں ایک نئی بات تھی کہ ان گیتوں میں بار بار امرت کا نام آتا تھا۔

ایک دن چندرسین نے پوچھا "شیکھر! یہ امرت کون ہے؟"

شیکھر بولے "امرت۔ ایسے ہی سرکار!۔ ایک خیال"

چندرسین مسکرا کر بولے "خیال یا اصلیت؟"

شیکھر نے کہا "اصلیت بھی تو ایک خیال ہے سرکار!"

چندرسین بولے۔ ہم اصلیت کے خیال کو نہیں۔ خیال کی اصلیت کو جاننا چاہتے ہیں۔ اسے دیکھنا تو چاہیئے!"

شیکھر سر جھکا کر بولے "پروانہ شمع کو دیکھ کر خوش نہیں۔ اس سے لپٹ کر خوش ہوتا ہے۔ محض دیکھنے سے تو دل کی آگ اور بھڑک اٹھتی ہے۔

چندرسین گرج کر بولے "شیکھر! میں اسے جاننا چاہتا ہوں۔ کون ہے وہ؟

شیکھر بناوٹی ڈر کے ساتھ بولے "یہ میرا پاگل پن تھا۔ مہاراج مجھے اپنے گیتوں میں اس کا نام نہ لانا چاہیئے تھا۔ اب ایک طرف آگ ایک طرف سمندر، کدھر جاؤں؟

چندرسین نے مضبوط آواز میں کہا "شیکھر! میں اپنے سوال کا جواب چاہتا ہوں!

شیکھر ویسے ہی ڈرتے ہوئے سے بولے "مہاراج! آج نہیں۔ کل"

چندرسین غصّے کے ساتھ بولے۔ کل نہیں، آج نہیں، ابھی!"

شیکھر خوف زدہ۔ اور اتنی دھیمی آواز میں کہ وہ صرف چندرسین کو سنائی دے۔ بولے "پرتیت نگر کے مہاراج رپودمن سنگھ کی لڑکی"

چندرسین کا غصّہ ایک دم حیرت میں بدل گیا۔ بولے "سچ!"

شیکھر مسکرائے۔ بولے "سچ نہیں جھوٹ۔ میرے گیت اس حسن لا پناہ

کی تعریف نہیں کر سکتے۔ میں جو تصویر باندھتا ہوں وہ محض جھوٹی ہے۔ اصلیت اس سے لاکھوں گنا حسین ہے۔ اس کی آنکھوں پر شراب کے کروڑوں ساغر نثار کئے جا سکتے ہیں۔ اور اس کے ہونٹوں پر وہ سُورگ ہے جس کے لئے دیوتا بھی پاگل ہو اٹھیں۔ لیکن اس پھول کے مالی تو آپ ہیں۔ میں تو محض ایک پرندہ ہوں۔ جو دور ایک شاخ پر بیٹھا پھول کی خوبصورتی کے گیت گایا کرتا ہے"

چندر سین کچھ سوچتے ہوئے بولے "شیکھر اتم پرتیت نگر جا سکتے ہو؟"

شیکھر گھبرا کر بولے "مہاراج! یہ کام مجھ سے نہ ہو گا!"

چندر سین ایک لمبا سانس لے کر بولے "اچھا کوئی اور جائے گا!"

(۳)

اور تیسرے دن جب جے پال چندر سین کا خط لے کر مہاراج رپودمن سنگھ کے پاس پہنچے۔ اور مہاراج نے یہ خط پڑھا۔ تو ہمہ تن آگ بن گئے۔ گرج کر بولے اس بدمعاش بوڑھے چندر سین کی یہ ہمت! میں اپنی لڑکی کو بھاڑ میں جھونک دوں گا۔ لیکن اسکے ساتھ شادی......"

پرتیت نگر کے مہامنتری پنڈت اجے شرما نے سنجیدگی کے ساتھ کہا مہاراج راجاؤں کو اپنے فیصلے اتنی جلدی نہ کرنے چاہئیں۔ میں کچھ ضروری باتیں کرنے کے لئے تخلیئے کا متلاشی ہوں!"

دربار برخاست کر دیا گیا۔ چندر سین کے دوست شری جے پال جو کبھی پرتیت نگر دربار میں کوی تھے۔ باہر کھڑے رہے۔ اور اندر تخلیئے میں پنڈت اجے شرما نے کہا۔ مہاراج! بھری سبھا میں ایسی بات کہنا اچھا نہیں تھا"

مہاراج دکھ کے ساتھ بولے۔ "پنڈت جی!"

پنڈت جی نے کہا "ہاں، مہاراج! اچھا نہیں تھا۔ چندر سین اول درجے کا بدمعاش اور لفنگا ہے ضرور۔ میں آپ کی اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اس کے راجکماری امرت کی شادی کرنے کی بجائے راجکماری کو بھاڑ میں جھونک دینا بہتر

ہو گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم اس کے ساتھ ہی ہم اس بات کو بھی نہیں بھول سکتے۔ کہ چندر سین وجے پور جیسی زبردست ریاست کا راجہ ہے۔ اور کہ وجے پور کی فوجی طاقت ہماری فوجی طاقت سے بہت زیادہ ہے"!

پردومن سنگھ بولے۔ "یہ سب کچھ تو میں نے نہیں سوچا۔ لیکن ایک بات بالکل یقینی ہے کہ میں مہاراج کی بجائے بھکاری بننا منظور کروں گا۔ مگر امرت کو اس وحشی درندے کے ہاتھوں میں نہ جلنے دوں گا"!

پنڈت جی بولے۔ "ٹھیک ہے اَن داتا! لیکن کھشتری کا دھرم بھیک مانگنا نہیں۔ لڑتے لڑتے مر جانا یا فتح حاصل کرنا ہی اس کا دھرم ہے۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم چپ چاپ جنگ کی تیاری کریں۔ آس پاس کے کچھ راجاؤں کو بھی اپنے ساتھ ملائیں۔ اور تب جنگ ہو گی۔ اس وقت بھی لیکن اس وقت ہماری فتح یقینی ہو جائے گی! ہم وجے پور کی عظیم الشّان ریاست کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں گے"!

پردمن سنگھ نے کہا۔ "تو اس وقت اس کو کیا جواب دیا جائے"؟

پنڈت جی بولے "یہی کہ ہم سوچ کر جواب دیں گے"۔

(۴)

اور راجکماری امرت نے جب اس بات کو سُنا تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔ اپنے محل میں جا کر وہ بہت دیر تک روتی رہی۔ بہت دیر تک۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ اور دور محل سے پرے، اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے راج کوی مادھو نے گانا شروع کیا۔ ایک گیت جس کا مطلب کچھ اس طرح تھا

"میری آنکھوں میں آنسو
میرے دل پر آگ
پانی سے آگ پیدا ہوئی

آگ سے پانی -
یہ اچھا دیکھ کر دنیا رو اٹھی -
لیکن تمہیں رونے کی ضرورت نہیں -
میں نے چاند کی کرنوں کو بلایا ہے -
وہ تیرے آنسوؤں کو پونچھ دیں گی!
یہ آنسو، کل صبح تک نرگس کی آنکھ میں -
شبنم کے قطرے بن جائیں گے -
کوئی خوش نصیب آئے گا -
اور نرگس کے پھول کو ہونٹوں سے چوم لے گا!

راجکماری یہ آنسو پونچھ کر معاً اُٹھ بیٹھی - راج کوی کتنی ہی بار اسی قسم کے گیت گاتے ہیں - امرت انہیں سمجھ نہیں پاتی - کیا راج کوی کسی سے پریم کرتے ہیں؟ کیا کسی نے ان کے دل کو توڑ دیا ہے؟ — کس بد نصیب نے ایسا کیا؟ کیوں کیا؟ — راج کوی مادھو — گیتوں کے بادشاہ — کیا کسی نے اُنہیں پیار کے گیت سے محروم کر دیا ہے؟

راجکماری نے اپنی الماری کھول کر ریشمی کپڑوں کی تہ میں دبی ہوئی ایک تصویر نکالی - اور اُسے دیکھ کر بولی "سُنا آپ نے — جن کے گیتوں کو اپنے خطوط میں لکھ لکھ کر میں نے آپ کے دل میں پیار کی دنیا بسا دی — وہی راج کوی مادھو پیار کے گیت سے محروم ہیں! — لیکن — لیکن کیا ہمارا یہ پیار سپھل ہو سکے گا - آپ جانتے ہیں — لیکن چاند اور سمندر کے بیچ ایک گھنا کالا بادل آ رہا ہے — وجے پور کا راجہ چندر سین — شاید اس سے جلتی ہوئی بجلیاں گریں گی! اور بیکراں و تباہ کن طوفان — اوہ — راجکمار! کیا ہمارا یہ پیار سپھل ہو سکے گا؟

اسی وقت باہر برآمدے میں سے ایک داسی مادھو کا ایک پرانا گیت گنگناتی ہوئی گذری

سپھل اسپھل کی چنتا ہے
کیوں یہ گھنی اُداسی؟
چاروں طرف تو ساگر میرے
پھر بھی من پیاسی!

اور راجکماری نے سوچا۔ سچ ہی۔ میں پیاسی۔ ساگر ہے دور کہیں۔ اپنے راج محل میں۔ چندن پور کے اندر۔ اور پرتیت نگر پر مصائب کے بادل۔ جانتی ہوں پتاجی میرے ساتھ اتیاچار نہ کریں گے۔ چندر سین کی بات نہ مانیں گے۔ لیکن ظالم چندر سین کیا اس انکار کے بعد خاموش رہے گا؟ کیا وہ پرتیت نگر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا جتن نہ کرے گا؟ اُف! میرے ہی کارن یہ ساری ریاست تباہ ہو جائے گی۔ کیا کروں؟۔ کیا کروں؟

اور تب ایک کاغذ لے کر وہ لکھنے لگی

"راجکمار! سوچا تھا کسی کو کچھ بھی پتہ نہ لگے۔ تب ایک دن سوئمبر کے وقت میں آپ کے گلے میں جے مالا پہنا دوں گی اور ہمارا یہ پیار ہمیشہ ایک راز بنا رہے گا۔ لیکن شاید ایسا ہو نہ سکے گا۔ دجے پور کا بدمعاش راجہ چندر سین مجھے اپنے محل میں ڈال لینا چاہتا ہے۔ اس سے پیشتر کہ ایسا ہو میں اپنا یہ سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں بھیج دوں گی۔ اور اس سے پیشتر کہ چندر سین میرے نزدیک پہنچ سکے میں آپ کے پاس پہنچنا چاہتی ہے اس لئے اگر آپ یہاں آسکیں، مجھے ساتھ لے جائیں۔ تو شاید یہ آفت ٹل جائے

آپ کی اپنی۔ امرت!"

اور یہ لکھنے کے بعد راجکماری نے آواز دی "کوئی ہے؟"

ایک داسی نے اندر آکر کہا "راجکماری کی جے ہو!"

راجکماری بولی "دیکھو ذرا پرملا کو بلا لاؤ!"

تھوڑی ہی دیر کے بعد جب پرملا آئی تو امرت نے اُس کے ہاتھ میں یہ خط

دے کر کہا۔ "پرملا! میں چاہتی ہوں۔ یہ خط جلدی سے جلدی راجکمار کے پاس بھیج دیا جائے!"

پرملا نے کہا۔ "اس خط میں آپ نے کیا لکھا۔ یہ میں جانتی ہوں۔ آپ نے راجکمار پرتھو سنگھ کو بلایا ہے۔ اس لئے کہ وہ آپ کو یہاں سے لے جائیں — اور پرتبت نگر پر آنے والی یہ آفت ٹل جائے — لیکن آپ شاید بھول گئیں۔ کہ چندن پور یہاں سے سات روز کے فاصلہ پر ہے۔ سات روز آنے میں، سات روز جانے میں — چودہ دن کے اندر تو شاید پرتبت نگر کی کایا پلٹ چکی ہوگی۔

امرت بولی — "تو بھی — پرملا! — اور تو کوئی راستہ نہیں۔ یہی ایک راستہ ہے۔ ابھی کسی کو بھیجو۔ یہ چٹھی لے جائے!"

پرملا نے آہستہ سے کہا۔ "بھیجوں گی ضرور — لیکن آنے والی آفت اس سے ٹلے گی نہیں!" — اور وہ چٹھی لے کر باہر چلی گئی۔

(۴)

اور جے پال نے وجے پور پہنچتے ہی شیکھر کے کہنے سے خوب نمک مرچ لگا کر ساری کہانی چندر سین کو سنا دی۔ یہ بھی کہ مہاراج رپودمن سنگھ نے خط کو پڑھتے ہی کیا کہا تھا — اور یہ بھی کہ جے پال نے واقف کار حلقوں میں گھوم پھر کر کیا سنا تھا۔ سب کچھ سن کر چندر سین بپھرے ہوئے شیر کی طرح گرج اٹھے۔ — بولے — "سمجھا، وہ مجھے ٹال کر جنگ کی تیاری کرنا چاہتا ہے۔ لیکن چندر سین کچی گولیاں نہیں کھیلا — جے پال! سپناپتی کو بلاؤ۔ کل ہی پرتبت نگر پر حملہ ہوگا!"

(۵)

مہاراج رپودمن سنگھ کو جب پتہ لگا۔ کہ وجے پور کی فوجیں پرتبت نگر کی سرحد پر جمع ہو رہی ہیں۔ تو انھوں نے پنڈت اجے شرما کو بلایا۔

پنڈت جی نے سر جھکا کر کہا۔ "مہاراج! یہ گھبرانے کا وقت نہیں۔ ایسے ہی وقتوں میں بہادروں کی بہادری اور دانشمندوں کی دانش کا امتحان ہوتا ہے۔

ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ ہم اپنی سرحدوں کی حفاظت نہیں کریں گے۔"

مہاراج حیران ہو کر بولے ۔ "پنڈت جی!"

پنڈت جی نے کہا۔ "یہ سچ ہے ۔ ہم چندر سین کی چال میں نہیں آئیں گے وہ جانتا ہے کہ ہمارے پاس فوج تھوڑی ہے ۔ اس لئے اس کی اچھیا ہے ۔ کہ ہم سرحد پر اس کا مقابلہ کریں ۔ تاکہ اس وقت جب ہماری فوجیں راجدھانی سے دور سرحد کی حفاظت کر رہی ہوں ۔ وہ تھوڑے سے سپاہیوں کو لے کر راجدھانی پر حملہ کر دے اور اس طرح ہماری بنیادوں کو تباہ و برباد کر دے! ۔ ہم یہ اچھیا پوری نہ ہونے دیں گے! ۔ ہم راجدھانی کے دروازوں پر ہی لڑیں گے ۔ اور جب تک وہ ان دروازوں کے قریب پہنچے ۔ تب تک ہم راجدھانی میں اس قدر سامان جمع کر لیں گے کہ اگر اس قلعے میں بیٹھ کر ہمیں کئی برس بھی لڑنا پڑے تو بھی کوئی کمی نہ ہو؟"

رگھو دمن سنگھ بولے ۔ "پنڈت جی! آپ کی تجویز اچھی ہو سکتی ہے ۔ لیکن کائروں کی طرح اپنے قلعے میں چھپ کر بیٹھے رہنا اور پرجا کو تباہ و برباد ہونے دینا راجپوت کی شان کے شایان نہیں ۔ آپ راجدھانی کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط فوج کو چھوڑ دیجئے ۔ باقی فوجوں کو لے کر میں اور آپ آگے چلیں گے ۔ اور پیشتر اس کے کہ دشمن میری پرجا کے ایک بھی آدمی کی توہین کرے ۔ میں یا تو خود ختم ہو جاؤنگا یا اُسے ختم کر دوں گا!"

پنڈت جی نے کہا ۔ "مہاراج! مشورہ دینا میرا کام ہے ۔ فیصلہ کرنا آپ کا ۔ آپ جو بھی حکم دیں گے وہ پورا کیا جائے گا۔"

مہاراج نے کہا ۔ "تو کل تک تمام انتظامات مکمل ہو جائیں ۔ کل ہی ہم یہاں سے کوچ کریں گے!"

(۵)

ادر آنے والے جنگ کے اس طوفان سے بے خبر راج کوی مادھو اندھیری رات کے سمندر کی طرح خاموش تھے ۔ لہریں اٹھتی تھیں ۔ ۔ ۔ کبھی کبھی ۔ ہلکی ہلکی ۔

راج کوی حسب معمول صبح اور شام راج محل میں جا کر گاتے تھے۔ حسب معمول خالی وقت میں وہ اپنے مکان میں بیٹھے موسیقی و شعریت کی دیوی کے چرنوں پر پھول چڑھایا کرتے۔ آج بھی وہ گا رہے تھے۔

جنم جنم کی پیاس کو لے کر
تیرے درس کی آس کو لے کر
جاگ اٹھی گیتوں کی دنیا
جاگ اٹھا سنسار یہ میرا
تم بھی جاگو — امرت رانی!
تم بھی جاگو — امرت رانی!

اور معاً ان کے ہاتھ سے ستار چھوٹ گئی۔ آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور وہ بہت پیار سے بہت دھیمی آواز میں کہنے لگے

تم بھی جاگو — امرت رانی
تم بھی جاگو — امرت رانی

انہیں معلوم نہیں ہوا۔ کہ ان کے پیچھے کوئی آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ اپنے آپ میں محو کہتے رہے "امرت — رانی — امرت — جنم جنم کی پیاس — کو لے کر — تیرے درس کی آس کو لے کر — امرت! — جاگ اٹھی گیتوں کی دنیا — تم بھی جاگو — امرت رانی — تم بھی جاگو!"

اسی وقت ان کے پیچھے کسی نے کہا — "جاگو کوی مہاراج!"

مادھو نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ جلدی سے اٹھ کر بولے "پرملا! مجھ سے غلطی ہوئی۔ کسی سے کہو گی تو نہیں؟"

پرملا نے مسکرا کر کہا۔ مہاراج! میں بہت دیر سے جانتی ہوں — میرے لئے یہ نئی بات نہیں۔ اور اگر ایک بات نہ ہوتی تو خود راجکماری سے جا کر سب کچھ کہہ دیتی — لیکن وہ بات — آپ کے یہاں آنے سے بہت پہلے ایک بار

پر تیت نگر میں جنگی کھیل ہوئے تھے۔ دُور دُور کے راجکمار ان میں حصّہ لینے کے لئے آئے۔ ان میں سے ایک تھے۔ چنارن پور کے راجکمار پربھو سنگھ۔ راجکماری نے انہیں دیکھا۔ انہوں نے راجکماری کو۔ دونوں ملے۔ اور اس کے بہت دیر بعد آپ آئے۔ راجکماری نے آپ کا گیت سُنا۔ تو رات کے وقت مجھ سے کہا۔

"پرملا۔ مادھو کوی کتنا اچھا گاتے ہیں۔ اُن کی آواز میں کتنا رس ہے۔ آنکھوں میں کتنی مدھرتا۔ اور ان لمبے لمبے بالوں میں......"

مادھو جلدی سے بولے "پرملا! میں نے راجکماری کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ میں صرف معافی مانگ رہا تھا۔ مجھ سے غلطی ہوئی!"

پرملا نے کہا "غلطی کیا مہاراج۔ یہ غلطی نہیں۔ اتنے بڑے کوی۔ اتنی سندر راجکماری۔ اس سے اچھی جوڑی اور کیا ہو سکتی تھی۔ لیکن آج میں ایک خاص کام سے آپکے پاس آئی ہوں۔ یہاں سے دو دن کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ مہاراج پور۔ اس کے راجہ شری کرشن کمار کے پاس ایک سندیسہ لے جانا ہو گا!"

مادھو چونک کر بولے "کون؟"

پرملا مسکرائی۔ کہا "گھبرایئے مت کوی مہاراج! نہیں جانتی کہ شری کرشن کمار کیسے آدمی ہیں۔ یہ بھی نہیں۔ کہ ان کی صورت کیسی ہے۔ جانتی ہوں صرف یہ کہ وہ غریب کے محافظ، مظلوم کے سہائیک اور ایک بھاری یودھا ہیں۔ لیکن نتیجہ ہے وہ آپ کو کچھ کہیں گے نہیں۔ آپ کو صرف ایک سندیش لے جانا ہو گا راجکماری کا پیغام۔ کہیئے لے جا سکیں گے؟"

مادھو آہستہ سے بولے "میں مہاراج کا نوکر ہوں۔ راجکماری جو حکم دینگی اُسے پورا تو کرنا ہی ہو گا"

پرملا بولی "کوی مہاراج! نوکر کی حیثیت میں نہیں آج اس راج پر

آفت آئی ہے۔ برسوں کے نمکخوار بھی آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ مہاراج، منتری اور سیناپتی سب کے سب سرحد پر چلے گئے ہیں۔ راجدھانی پر کسی بھی وقت حملہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے نوکر کی حیثیت میں نہیں۔ صرف ایک انسان کی حیثیت میں جس کے دل میں پیار ہے۔ اور شعریت جس کی آنکھوں میں موسیقی ہے۔ اور رگ رگ میں نغمہ۔ کیا آپ راجکماری کا یہ سندیسہ لے جائیں گے؟"

مادھو آہستہ سے بولے "لے جا سکوں گا پرملا! کب جانا ہو گا؟"

پرملا نے کہا "کل صبح ہی!"

(۶)

اور پرملا کے چلے جانے پر مادھو اندر سے دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ آہستہ سے بولے "راجہ شری کرشن کمار۔ راجکماری امرت اسے کیا سندیش بھیجیں گی؟ اور راجکماری کو شری کرشن کمار کا پتہ کیسے لگا؟

وہ سوچتے رہے "کرشن کمار۔ کیا راجکماری کو معلوم نہیں کہ وہ ایک معمولی جاگیردار ہے۔ آج سے پانچ برس پہلے پتہ نہیں کہاں سے آ کر اس نے یہ جاگیر خریدی۔ اور تب اپنی بہادری سے ہر طرف نام پیدا کیا۔ راجکماری اس سے کیا چاہتی ہیں؟ مدد؟ ۔ لیکن چندر سین کی فوجوں کے مقابلہ میں اکیلا کرشن کمار ان کی کیا مدد کرے گا؟

اور وہ سوچتے رہے "جانتا تھا۔ راجکماری پریم کرتی ہیں۔ لیکن اس بیوقوف پر بھروسے ۔ کیا وہ راجکماری کے لایق ہے؟ کیا وہ راجکماری کو سکھ سے رکھے گا؟ لالچی نوجوان جس کے سینے میں انسانیت کی بجائے حیوانیت زیادہ ہے۔ لیکن راجکماری اس سے پریم کرتی ہیں۔ چندن پور کے راجکمار پربھو سنگھ۔ کیا وہ راجکمار ہے؟ کیا اسے چندن پور کے راجیہ پر کوئی حق ہے؟ لیکن راجکماری اس سے پریم کرتی ہیں۔ مادھو کوی کا کام صرف یہ ہے۔ کہ وہ گیت سنائے۔ ضرورت پڑے تو سندیش لے جائے"

بہت دیر تک وہ اس طرح سوچتے رہے۔ سوچتے ہی سوچتے پتہ نہیں کب سو گئے جب اُٹھے تو باہر کوئی کواڑ کھٹکھٹا رہا تھا۔

دروازہ کھول کر انھوں نے دیکھا پرملا ہے۔ اندر آ کر وہ بولی "کوی مہاراج! آج اس نگر میں قیامت بپا ہونے والی ہے۔ پنڈت اجے شرما نے مہاراج کو کہا تھا۔ کہ وہ شہر کو غیر محفوظ نہ چھوڑیں۔ یہیں رہ کر چندر سین کا مقابلہ کریں مہاراج نے نہیں مانا۔ وہ اس وقت دور سرحد پر ہیں۔ ساری فوج کے ساتھ۔ اور ابھی ابھی کوتوال کو اطلاع ہے۔ کہ چندر سین اپنے چنے ہوئے سپاہیوں کو لے کر پرتیت نگر کی طرف آ رہا ہے"

مادھو کچھ سوچ کر بولے "سمجھا۔ کیا کوتوال کو یہاں بلا سکتی ہو؟"

پرملا نے کہا۔ وہ راجکماری کے پاس ہے۔ سوچ رہا ہے۔ نگر کی رکھشا کیسے کی جائے گی"

مادھو بولے "مجھے اُن کے پاس لے چلو۔ میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں"

(۷)

اور راجکماری کے محل میں پہنچ کر مادھو نے امرت کی طرف دیکھے بغیر ہی کہا "کوتوال صاحب! نگر کی رکھشا کا بوجھ آپ پر ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ اس وقت آپ کے پاس کتنے سپاہی ہیں؟"

لیکن اس سے پہلے کہ کوتوال کچھ کہتا۔ راجکماری نے کہا "کوی مہاراج! نگر کی رکھشا لڑ کر نہیں ہو سکتی۔ جتنے سپاہی نگر میں ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک دن چندر سین کا مقابلہ کر سکیں گے۔ لیکن چندر سین اس نگر کو تباہ کرنے کے لئے نہیں آ رہا ہے۔ وہ آ رہا ہے ایک اور ہی کارن سے۔ اگر اُس کارن کو اس نگر سے دور کر دیا جائے تو . . .

کوتوال نے کہا۔ ابھی ابھی چندر سین کا ایک سندیش آیا ہے۔ کہ اگر راجکماری کو اس کے حوالے کر دیا جائے تو وہ نگر پر حملہ نہیں کرے گا۔ میں یہی بتانے کے لئے

یہاں آیا تھا"

مادھو غصّے سے چلا کر بولے "کوتوال"

راجکماری نے آہستہ سے کہا "کوی مہاراج! میں جانتی ہوں۔ آپ اس بات کو برداشت نہیں کریں گے۔ لیکن اس کے سوائے اب اور کوئی چارہ نہیں۔ کہ یا تو یہ نگر تباہ ہو جائے یا راجکماری اپنے آپ کو بلیدان کر دے"

مادھو دھیمے سے بولے "راجکماری!"

راجکماری نے کہا "کوی مہاراج! ان دونوں کے علاوہ ایک تیسرا راستہ بھی ہے۔ یہ کہ میں یہاں سے چلی جاؤں اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں کہ میں یہاں سے چندن پور چلی جانا چاہتی ہوں۔ راجکماری پر بھو سنگھ مجھے لینے کو آ رہے ہونگے لیکن جب تک وہ نہ ملیں تب تک مجھے ایک ساتھی چاہیئے"

کوتوال نے التجا بھری آواز میں کہا "لیکن مہاراج سنیں گے تو کیا کہیں گے"

راجکماری بولی "یہ میرا حکم ہے۔ آپ سمجھے۔ اپنی اور نگر کی حفاظت کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ اس کا فیصلہ میں کر چکی ہوں۔ چندر سین جب سنے گا۔ کہ راجکماری نگر میں نہیں ہے۔ تو وہ حملہ کرنے کی بجائے میرا پیچھا کرنے کا جتن کرے گا۔ اسی لئے مجھے ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہے۔ جو ہزاروں کے مقابلہ میں اکیلا ہی میرا ساتھ دے سکے۔ اور ایسا آدمی اس ساری دنیا میں ایک ہی ہے۔ کوی مہاراج! میں نے آپ کو اسی لئے بلایا ہے۔ کہ آپ تیز رفتار گھوڑا لے کر ابھی اس مہاپُرش کے پاس جائیں۔ اور یہ۔ یہ راکھی اُن کے ہاتھ میں باندھ کر کہیں۔ کہ آج سے میں نے اُنہیں اپنا بھائی بنایا ہے"

یہ کہہ کر راجکماری نے پاس ہی پڑے صندوق سے ایک خوبصورت راکھی نکالی۔ اور کہا "یہ راکھی ان کے ہاتھ میں باندھ کر کہیئے۔ میرا کوئی بھائی نہیں وہی میرے بھائی ہیں۔ اور میری پرارتھنا یہ ہے۔ کہ وہ مجھے راجکمار پر بھو سنگھ کے پاس پہنچا دیں"

مادھو چپ چاپ کھڑے تھے۔ جیسے انھوں نے دل ہی دل میں پیار کیا تھا جس کے تخیل کو سامنے رکھ کر انھوں نے کتنے ہی گیت لکھے تھے۔ وہی راجکماری آج ان کے سامنے کھڑی تھی۔ امرت کا جھرنا بہہ رہا تھا۔ اور مادھو کھوئے سے جا رہے تھے۔ معاً انھوں نے سُنا۔" یہ راکھی ان کے ہاتھ میں باندھ کر کہئے میرا کوئی بھائی نہیں۔ وہی میرے بھائی ہیں!" اور وہ چونک کر بولے" امرت!"

پرو نے دیکھا، محسوس کیا کہ شاعر کے دل میں عجیب طوفان اٹھ رہا ہے۔ جلدی سے بولی" کوی مہاراج! آپ نے کہا تھا کہ آپ راجکماری کا سندیسہ راجہ کرشن کمار کے پاس لے جائیں گے۔ راجکماری اُنہی کے پاس آپ کو بھیجنا چاہتی ہیں۔ راجکماری نے کہا" ہاں کوی مہاراج! راجہ کرشن کمار۔ جن کا نام سن کر پاپ تھر تھر کانپتا ہے۔ اور جن کے بازوؤں کی طاقت کے آگے ہاتھی بھی سر جھکاتے ہیں۔ اُن کے پاس جا کر کہئے۔ میں نے آپ کو اپنا بھائی بنا لیا ہے۔ بہن کی رکھشا کیجئے!"

مادھو سر جھکا کر آپ سے بولے" پھر کہو امرت!"

امرت نے کہا۔ انہیں کہئے۔ میں نے آپ کو اپنا بھائی بنا لیا ہے۔ بہن کی رکھشا کیجئے!"

مادھو روتی ہوئی آواز میں بولے" پھر کہو بہن!"

امرت نے حیرت کے ساتھ طوطے کی طرح کہا" کہئے میں نے آپ کو اپنا بھائی بنایا۔ بہن کی رکھشا کیجئے!"

مادھو کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ کر کے دو آنسو گرے۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولے" ایسا ہی ہوگا۔ کرشن کمار کی بہن کو کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے تو اس کی آنکھ پھوٹ جائے گی؟"

امرت نے حیرت کے ساتھ کہا۔" کوی مہاراج!"

مادھو اپنے آپ کو سنبھال کر بولے" کوی مہاراج ٹھیک۔ لیکن امرت

بہن! میرا اصلی نام مادھو نہیں — کرشن کمار ہے — باندھو راکھی!"

راجکماری نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "مہاراج!"

مادھو بولے "ہاں — امرت! راجہ کرشن کمار کو ایک پاگل یہاں کھینچ لایا تھا۔ اُسی نے انہیں مادھو بننے پر مجبور کیا۔ بیچ بیچ میں میں اپنی جاگیر کا انتظام کرنے بھی جاتا تھا۔ لیکن میری رعایا اتنی خوش ہے۔ کہ وہ اپنے راجہ کے بغیر بھی انتظام میں رہ سکتی ہے۔ اسی لئے مجھے بہت کشٹ نہیں ہوا۔ اور میں اپنے پاگل پن میں مجبور رہ سکا۔ لیکن آج اس پاگل پن کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ آج سے میں تمہارا بھائی ہوا۔ بہن! اس ہاتھ کو راکھی کی زنجیر سے کس دو — تاکہ وہ پاگل پن کبھی پھر مجھے کھینچ نہ سکے۔"

راجکماری امرت نے ڈرتے ہوئے ہاتھوں سے مادھو کرشن کمار — کے ہاتھ میں راکھی باندھ۔ اور اس راکھی والے ہاتھ کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

کرشن کمار بولے "امرت! اب کوئی چنتا نہیں۔ تم چاہو تو میں نگر میں رہ کر بھی چندرسین کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ لیکن نگر کا ستیاناش ہو جائے گا۔ اس لئے مجھے تمہاری تجویز زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ تم پرملا میں اور صرف پانچ سپاہی۔ اسی وقت چندن پور کی طرف چلیں گے۔ شام کے وقت جب چندرسین یہاں آئے۔ تو کوتوال اُسے بتا سکتے ہیں۔ کہ راجکماری پرتیت نگر میں نہیں ہے یہ بھی بتا سکتے ہیں۔ کہ وہ کرشن کمار کے ساتھ چندن پور کی طرف جا رہی ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہو گا۔ اُسے میں سنبھال لوں گا۔"

پرملا نے ہنس کر کہا "کوئی مہاراج! مجھے پہلے ہی شک تھا کہ آپ کوئی نہیں"

کرشن کمار چونک کر بولے "پرملا! تم میرا ایک بھید جانتی ہو۔ اسے دل ہی میں چھپائے رہو تو بہت کرپا ہو گی! — ہاں راجکماری! کتنی دیر میں تیار ہو سکیں گی آپ؟"

امرت نے آہستہ سے کہا۔ "میں تو تیار ہوں مہاراج!"

کرشن کمار بولے ۔"اچھا ۔ تو چلو کوتوال صاحب! پانچ چنے ہوئے سوار اور تین گھوڑے نگر کے دکھنی دروازے پر بھیجئے۔ ہم چپکے سے وہاں پہنچیں گے۔

—(۸)—

رات ہونے سے پہلے ہی کرشن کمار امرت کو لے کر پرتیت نگر سے بہت دور پہنچ گئے۔ جنگل میں ایک مندر کے پاس کھڑے ہو کر انھوں نے کہا۔

"چندر سین اگر اس وقت پرتیت نگر سے چلے تو مشکل سے صبح تک یہاں پہنچ سکتے ہے۔ اس لئے ہم آدھی رات تک یہاں آرام کر سکتے ہیں۔"

امرت نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں، مہاراج!

کرشن کمار گھوڑے سے اترتے ہوئے بولے ۔"تو اتر بیٹے پر ملا! راجکماری نے صبح سے کچھ کھایا نہیں۔ اگر کچھ ہو تو انہیں کھلا دو۔ میں سونے کا انتظام کرتا ہوں!

—(۹)—

راجکماری بستر پر لیٹتے ہی سو گئی۔ سپاہی بھی سو گئے۔ پرملا بھی۔ صرف کرشن کمار جاگتے رہے۔ ان کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ تھوڑی ہی دوری پر امرت سوئی پڑی تھی۔ چاندنی اس کے چہرے اور بالوں سے کھیل رہی تھی۔ اور اس کے ہونٹوں پر جیسے ایک اداس مسکراہٹ سی بار بار جاگ اٹھتی تھی۔ کرشن کمار اسے دیکھتے رہے۔ سوچتے رہے۔ "کل اور آج میں کتنا فرق ہے۔ کل اس سے کچھ ہی دیر پہلے میں کیا سوچ رہا تھا۔ کتنی امیدیں تھیں۔ کتنی آشائیں۔ آج وہ سب کہاں ہیں جس کے لئے اتنے برس مادھوبن کر تپ کیا۔ وہ ۔ وہ۔"

اور انھوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔

اسی وقت ان کے اندر سے کوئی چلّا اٹھا: "کرشن کمار! اپنے ہاتھ کو دیکھو اس پر بندھی راکھی کا دھیان کرو۔"

کرشن کمار نے ہاتھ ہٹا کر آنکھیں کھول کر دیکھا چاندنی میں وہ راکھی جیسے مسکرا رہی تھی۔ ایک بار ان کے من میں آیا۔ کہ راکھی کو توڑ کر پھینک دیں۔ راجکماری کو دل کے ساتھ لگا لیں۔ اور کہیں " امرت! جس من موہن نے کرشن کمار کو مادھو بنایا تھا۔ وہ تم ہو۔ آؤ ہم دونوں ایک نئی دنیا آباد کریں۔ وہ دنیا جس کے میں برسوں سے سپنے دیکھ رہا ہوں جس کا دھیان کرتے ہوئے میں نے وہ گیت لکھے جنہیں سن سن کر سارا پریت نگر پاگل ہو اٹھا۔ جن کے ایک ایک بند سے کتنے ہی دلوں نے پیار کرنا سیکھا۔ پیار کی زبان کو حاصل کیا"

لیکن معاً انہیں ایسا معلوم ہوا۔ جیسے وہ راکھی مسکراتی ہوئی لیکن اداس آواز میں کہہ رہی ہے " تم میرے بھائی ہو۔ بہن کی رکھشا کرو!"

اور کرشن کمار پاگلوں کی طرح اٹھ کر گھومنے لگے۔ ٹھنڈی ہوا لگنے سے طبیعت میں جب کچھ شانتی آئی تو بیٹھ گئے۔ اور بیٹھے ہی بیٹھے ایک پرانا گیت گانے لگے۔

سو جا' اے عالم خواب۔ سو جا
سو جا' کہ تو دنیا کی اصلیتوں کو برداشت نہ کر سکے گا
وہ ایک مضبوط چٹان بن کر تیرے راستے میں حائل ہو جائیں گی
وہ اپنی نا سمجھی سے تیرے تخیل کو برباد کر دیں گی
سو جا' اے عالم خواب سو جا"

اس کے بعد بھی شاید وہ گاتے' لیکن پرملا نے کہا " کوی راج! انسان کی عظمت من کو قابو کرنے میں ہے"

کرشن کمار چونک کر بولے " پرملا! ۔۔۔ تم سوئی نہیں!"

پرملا نے کہا۔ ایک چھن بھی نہیں۔ آپ کے دل میں جو طوفان اٹھ رہا ہے۔ اُسے میں جانتی ہوں۔ لیکن اگر ایک کمزور عورت اپنے دل کو قابو میں رکھ سکتی ہے تو آپ بھی رکھ سکتے ہیں"

کرشن کمار حیرت کے ساتھ بولے " کمزور عورت کون؟"

پرملانے اُن کے پاس آکر دھیمی آواز میں کہا۔ "راجکماری امرت ۔۔ آپ جانتے نہیں۔ لیکن وہ آپ سے پیار کرتی ہے۔ اُسی دن سے جب آپ پہلے پہل دربار میں آئے تھے۔ لیکن اس سے بہت پہلے وہ راجکمار پربھو سنگھ کو بچن دے چکی تھی۔ اس لئے اُس نے اپنے من کو قابو میں کیا۔"

کرشن کمار اپنے آپ کو بھول کر چلا اُٹھے "۔ امرت!"

پاس ہی سوئی ہوئی راجکماری چونک کر اُٹھی۔ بولی "کون۔ آپنے مجھے بُلایا مہاراج!"

کرشن کمار اپنے کو سنبھال کر بولے "ہاں راجکماری! صبح ہونے میں ایک پہر باقی ہے۔ اب ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیئے!"

راجکماری نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "تو چلیئے مہاراج! پرملا! ان سپاہیوں کو جگاؤ!"

(۱۰)

مہاراج چندر سین نے سچ ہی پرتیت نگر پر حملہ نہیں کیا۔ جیسے ہی انہیں معلوم ہوا۔ کہ راجکماری امرت چندن پور کو جا رہی ہے۔ اور راجکمار پربھو سنگھ سے اس کا بیاہ ہوگا۔ ویسے ہی انھوں نے اپنے سیناپتی کے پاس پیغام بھیجا کہ ۔ دجے پور کی سرحد سے ہٹ کر چندن پور کی طرف کوچ کر دو۔ اور خود اپنے ساتھیوں کو لے کر راجکماری کا پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ لیکن چندن پور کی سرحد تک وہ کسی بھی جگہ راجکماری کو پا نہیں سکے اور اس سرحد میں صرف چند ساتھیوں کے ساتھ داخل ہونا انھوں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے وہ سرحد کے اس طرف ہی سیناپتی کا انتظار کرنے لگے

(۱۱)

چندن پور کے نزدیک پہنچکر راجکماری امرت کور نے کہا۔ "پرملا! راجکمار کے پاس کیا میں خود ہی جاؤں گی؟ کیا وہ مجھے لینے کے لئے یہاں تک بھی نہ آئیں گے؟"

کرشن کمار بولے "امرت! تمہارا خیال درست ہے۔ چندن پور کی ہونے والی مہارانی بھکارنوں کی طرح راجدھانی میں داخل نہیں ہو سکتی۔ راجکمار جب تک یہاں نہیں آتے تب تک آگے بڑھنا ٹھیک نہیں۔ ہم لوگ یہیں ٹھہریں گے پرملا۔ شہر میں جا کر راجکمار کو اطلاع دے گی!"

پرملا نے کہا "لیکن آپ میرے ساتھ نہ چلیں گے۔ مہاراج!

کرشن کمار کچھ سوچ کر بولے "چلوں گا"

اور نگر کے دروازے پر پہنچ کر انھوں نے کہا "پرملا! اب تمہیں اکیلے جانا ہو گا۔ میں اس نگر کے اندر نہیں جا سکتا۔ عرصہ ہوا میں نے پرتگیا کی تھی۔ کہ اس نگر میں پاؤں نہ رکھوں گا"

پرملا مسکرا کر بولی "یہ ایک اور بھید ہے۔ مہاراج!"

کرشن کمار بولے "بھید ہے بھی اور نہیں بھی۔ لیکن اس کے ذکر سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ تم اب جاؤ۔ لیکن دیکھو پربھو سنگھ سے راجکماری کا ذکر نہ کرنا۔ صرف یہی کہنا۔ کہ ایک خوبصورت لڑکی آپ کے درشن کرنا چاہتی ہے۔ راجکماری کا نام سن کر شاید وہ نہ آئے"

پرملا نے حیرت سے کہا "مہاراج!"

کرشن کمار بولے "راجکماری کے نام سے آنا ہوتا تو اب تک وہ یہیں راستے میں ملتا۔ لیکن۔ خیر تم جاؤ۔! ۔ اور نگر کے باہر اس درخت کے نیچے آکر بتانا کہ تھوڑی ہی دوری پر راجکماری امرت اُن کا انتظار کر رہی ہے"

پرملا نے سر جھکا کر کہا "بہت اچھا۔ مہاراج!"

اور کافی دیر کے بعد اس درخت کے نیچے آکر جب راجکمار پربھو سنگھ نے پوچھا "وہ خوبصورت لڑکی کہاں ہے؟" تو پرملا نے کہا "لڑکی کا نام اجکماری امرت ہے اور وہ تھوڑی ہی دوری پر آپ کا انتظار کر رہی ہے!"

پربھو سنگھ چونک کر بولے "کون؟ راجکماری امرت! وہ یہاں کیسے

آ گئی - اُس کا یہاں آنا تو اچھا نہیں ہوا - اُسے کہو وہ اپنے باپ کے ہاں واپس چلی جائے سوئمبر ہونے پر میں خود ہی وہاں آؤں گا۔"

پریلا نے حیران ہو کر کہا "لیکن راجکمار! وہ تو صرف آپ کے لئے یہاں تک آئی ہے - اب واپس کہاں جائے گی؟"

پربھو سنگھ نے کہا "تم جانتی نہیں ہو داسی!

چندن پور کی سرحد پر چندر سین اپنی فوجیں لئے کھڑا ہے - اس وقت بھی اس کے دوت اور جاسوس راجدھانی میں گھوم رہے ہیں - اگر اُسے پتہ لگ گیا - کہ راجکماری امرت یہاں ہے - تو خواہ مخواہ جنگ شروع ہو جائے گی راجکماری کو کہو کہ وہ واپس چلی جائے --- اور دیکھو کسی سے میرے ملنے کا ذکر نہ کرنا --- میں اب شہر میں جا رہا ہوں - تم یہیں سے واپس چلی جاؤ۔"

اسی وقت درخت کی آڑ سے باہر نکل کر کرشن کمار نے کہا "پربھو سنگھ!"

پربھو سنگھ کا چہرہ اُنہیں دیکھتے ہی پیلا پڑ گیا - کانپتی ہوئی آواز میں بولے "آپ --- بھیا!"

کرشن کمار گرج کر بولے "مجھے بھیا مت کہو - تمہارے جیسے بزدل جوان کا بھائی بننے کی نسبت میں مرجانا بہتر سمجھتا ہوں - بھائی تھا --- کبھی --- لیکن تمہاری ہوس اور پتاجی کی کوتاہ اندیشی نے مجھے راجکمار کاہن سنگھ سے کرشن کمار بننے پر مجبور کیا - کاہن سنگھ مر چکا ہے اس وقت کرشن کمار تمہارے سامنے ہے۔۔۔۔۔"

پربھو سنگھ نے کرشن کمار کے ہاتھ میں لپلپاتی تلوار دیکھ کر کانپتے ہوئے کہا "بھیا - راجکمار کاہن سنگھ! چندن پور کا راج اب بھی آپ کا ہے میں آپ کو پتاجی کے پاس لئے چلتا ہوں!"

کرشن کمار مضبوط آواز میں بولے "پربھو سنگھ! میں یہ تلوار لے کر چندر پور کا راجہ واپس لینے نہیں آیا - اچھا ہوا تم مل گئے۔ پر میں اس قسم کے سینکڑوں

راجیہ لے سکتا ہوں۔ آج میں آیا ہوں صرف انصاف لینے۔ ایک غریب لڑکی کے لئے انصاف جسے تم نے میٹھی میٹھی باتوں سے پھسلا کر پریم کرنا سکھلایا جس سے تم نے روپ کا زہر پلا کر یہ وچن لے لیا۔ کہ وہ صرف تمہاری ہی بن کر رہے گی آج وہ اپنا گھر چھوڑ کر تمہارے در پر آئی ہے۔ بھکارن بننے کے لئے نہیں۔ بلکہ مہارانی بننے کے لئے۔

آج اسی درخت کے نیچے اُس کے ساتھ تمہارا بیاہ ہوگا۔ میں اس بیاہ میں شریک نہ ہو سکوں گا۔ لیکن یاد رکھو۔ میری تلوار اُس وقت تک میان سے باہر رہے گی جب تک یہ بیاہ نہ ہو جائے۔ اور اس عرصہ میں اگر کہیں تم نے رتی بھر بھی شرارت کی تو کرشن کمار کی تلوار اپنے سگے بھائی کے خون سے کھیلنے سے دریغ نہیں کرے گی!

پربھو سنگھ مولی کے پتے کی طرح کانپ رہے تھے۔ لرزتی ہوئی آواز میں بولے "لیکن چندر سین۔ چندر سین اپنی فوجیں لے کر سرحد پر کھڑا ہے"۔

کرشن کمار گرج کر بولے "چندر سین ہَوّا نہیں ہے۔ اپنی فوجوں کو اسی وقت سرحدوں کی طرف بھیجو۔ یہ بیاہ ختم ہوتے ہی میں خود بھی سرحد پر جاؤں گا۔ اور چندر سین کا سر کاٹ کر تمہاری سرحد پر لگا دوں گا۔ وجے پور کا راجیہ تخس نخس ہو جائے گا۔ اس دیش سے بدمعاشی اور اتیا چار بہت دیر کے لئے ختم ہو جائیں گے لیکن یہ سب کچھ بعد میں ہوگا۔ پہلے تم جاؤ۔ اُس مندر کے پاس راجکماری اوِرت بیٹھی ہیں۔ انہیں برات کے ساتھ یہاں لاؤ۔ اور پھر بیاہ کا انتظام کرو"!

پربھو سنگھ بھیگی بلی کی طرح راجکماری کی طرف چلے۔ پرملا کرشن کمار کے پاس ہی کھڑی رہی۔ اور جب پربھو سنگھ دُور چلے گئے۔ تو بولی۔ مہاراج! آپ انسان ہیں یا دیوتا!" کرشن کمار ایک لمبا سانس لے کر بولے "محض ایک انسان پرملا! اور ایک بدنصیب انسان! اتنے بڑے راجیہ کا مالک تھا۔ لیکن محض غصے کے کارن اُسے چھوڑ دیا۔ تب ایک جا گیر آباد کی۔ اُسے ایک لڑکی کے لئے فراموش کر دیا۔ اب اُس لڑکی کو بھی چھوڑ رہا ہوں۔ دنیا میں کوئی بھی میرا نہیں ہوا

پرملا کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ وہ کچھ بول نہیں سکی۔

کرشن کمار نے کہا "روتی ہو۔ کیوں؟ مجھے دیکھو اتنے دکھ سہہ کر بھی زندہ ہوں۔ اور زندہ رہوں گا۔ محض اس لئے کہ جس نے میرے ہاتھ میں راکھی باندھی مجھے بھائی کہہ کر پکارا۔ اُسے یہ بیوقوف پربھو سنگھ کبھی کوئی دکھ نہ دے سکے

چندن پور کے باہر عالیشان شامیانوں کے نیچے لاانتہا لیمپوں کی روشنی میں جب پربھو سنگھ اور امرت کا بیاہ ہو رہا تھا۔ تو کرشن کمار دور ایک درخت کے پاس ہاتھ میں ننگی تلوار لئے کھڑے تھے۔ اُن کا گھوڑا بار بار اُن کے کندھوں پر اپنا منہ رکھ دیتا تھا۔ اور کرشن کمار اسے تھپک کر کہتے تھے۔ ابھی نہیں۔ ابھی نہیں! لیکن جب بیاہ کی آخری رسم پوری ہو چکی۔ تو وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور دوسرے دن صبح کے وقت چندر سین کا سر چندن پور کی سرحد پر کٹا پڑا تھا۔ اس کی فوجیں تتر بتر ہو کر بھاگ رہی تھیں۔ اور چندن پور کی فوجیں اُن کا پیچھا کر رہی تھیں وجے پور کا راجیہ صبح ہی برباد ہو گیا۔ کرشن کمار نے اس کے تین حصے کئے۔ ایک حصہ چندن پور کے فوجی سرداروں کو دے دیا۔ دوسرا پرتیت نگر کے مہاراج ریپودمن سنگھ کو اور تیسرا چندن پور کی مہارانی امرت کو۔ بھائی کی طرف سے بہن کو اُس کے بیاہ پر ایک ناچیز سی بھینٹ۔ اس کے بعد وہ اپنی جاگیر میں گئے اُسے کسانوں میں تقسیم کر کے صرف ایک بینا لے کر پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ کچھ لوگوں نے انہیں کاشی میں دیکھا۔ کچھ نے ہمالہ کی ترائیوں پر۔ لیکن اُن کا اصلی پتہ کسی کو بھی نہیں ملا۔

(۱۲)

اور بیاہ کے کئی دن بعد۔ پرملا نے ایک دن کہا۔ امرت! وہ مہا پرش مادھو۔ کرشن کمار۔ کا ہن سنگھ۔ اُن سے ملنے کو کبھی تمہاری اچھیا نہیں ہوتی؟"

امرت نے کہا "اچھیا۔ پرملا؟۔ اگر میں اپنا سب کچھ دے کر بھی صرف

ایک بار اُن کا درشن پا سکتی - تو میرا جیون سپھل ہو جاتا"

پرملا نے آہستہ سے کہا "امرت! کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ تمہیں پیار کرتے تھے؟"

امرت نے کہا "جانتی ہوں - لیکن اتنا نہیں - جتنا میں کرتی تھی" پرملا نے چونک کر کہا - "امرت!"

امرت بولی "ہاں پرملا! میں انہیں پیار کرتی تھی - اتنا جتنا آج تک کبھی کسی نے کسی سے نہیں کیا - لیکن وہ اگر دیوتا تھے - تو میں اُس کے یوگیہ بننے کی کوشش کیوں نہ کرتی - پرملا! انسان کی عظمت دل کا غلام بننے میں نہیں اُسے قابو کرنے میں ہے!"

اسی وقت محل کے باغ میں کوئی مالی ایک پرانا گیت گا اٹھا -

جاگ اے میرے عالمِ خواب - میرے
سپنوں کی دنیا جاگ! جاگ، اے
طوفانِ شعریت! اے سیلاب
موسیقی! جاگ! ———"

پرملا نے کہا "مہارانی! راج کوی مادھو کا گیت!"

امرت بولی "ہاں جسے انھوں نے پہلے پہل پتا جی کے سامنے دربار میں گایا تھا - سچ ہے پرملا - اُن کی کہانی محض ایک عالمِ خواب ہے - محض ایک سپنا شروع ہوا - اور ختم - پرملا نے آہستہ سے کہا - "ہاں - ختم!"

(زنجیر)

۳

ٹیکسلا کے کھنڈر

پربھو داس سامنے پڑی تصویر دیکھ رہے تھے۔ کہ ہوا اُن کے چہرے پر تعجب کے آثار ہویدا ہونے لگے۔ نہایت گمبھیر آواز میں بولے۔ نرناتھ! تم نے کہا تھا نا کہ یہ تمہاری تصویر ہے!"

نرناتھ پربھو داس کے شاگرد تھے۔ صرف ایک بات میں نہیں کتنی ہی باتوں میں ابھی جب وہ پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ تو نرناتھ کی ماں نے پربھو داس کے چرنوں میں گر کر کہا تھا۔ "پربھو! تم سب کی پکار سنتے ہو۔ تمہارے اپدیش سے جلتے ہوئے سینوں میں شانتی کی برکھا ہونے لگتی ہے۔ تو پھر کیا میں ابھاگن ہی تمہاری کرپا سے محروم رہوں گی؟ کیا میرے گھر میں بیٹا نہ ہوگا؟" پربھو داس نے مسکرا کر

کہا تھا " بہن! یہ تو بھگوان کی مایا ہے۔ انہیں کی اچھیا سے سب کچھ ہوتا ہے انہیں سے پرارتھنا کرو۔ میں بھی ان کے قدموں پر سیس رکھ کے کہوں گا۔ کہ وہ میری بہن کی پرارتھنا قبول کریں "

وقت آنے پر بہن کی پرارتھنا سویکار ہوئی۔ نرناتھ کا جنم ہوا۔ اور تبھی سے پربھوداس جیسے اس کے گورو بن گئے۔ جب وہ چھوٹا سا تھا تو اُسے گود میں لے کر کھلایا کرتے۔ جب بڑا ہوا۔ تو ساتھ گھمانے لے جاتے خود گاتے اور اسے گانے کو کہتے

بھج من شنکر، بھج من شنکر، بھج مہادیو

اور جب وہ اور بڑا ہوا۔ تو انھوں نے خود ہی اسے پڑھایا۔ وہ گیت لکھنے کا ڈھنگ بتایا جس پر آج ایک دنیا دیوانی ہوتی تھی۔ اور جب دیکھا کہ وہ اب جوان ہوا ہے۔ تو اس کی ماں سے کہہ کر خود ہی انھوں نے اس کا بیاہ رچایا نرناتھ کے پتا صرف دیکھتے رہے۔ کام کرنے والے پربھوداس تھے۔ ور اور بہو کو آشیرباد دینے کا وقت آیا۔ تو پربھوداس نے گمبھیر آواز میں کہا " نرناتھ! موہنی! بھگوان کرے تم سدا سکھی رہو۔ جیون کا نام کشمکش ہے۔ اس میں پڑے بنا تو گذارہ نہیں۔ لیکن ایشور کرپا کریں۔ تو یہ کشمکش دکھ کی بجائے سکھ کا کارن ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد ہنستی ہوئی آنکھوں سے انھوں نے نرناتھ اور موہنی کی پریم لیلا کو دیکھا۔ موہنی اپنے پتا کی اکلوتی لڑکی تھی۔ اسی لئے انھوں نے تمام روپیہ تمام جائداد نرناتھ کو دیدی۔ نرناتھ کو اب اس کے سوائے اور کوئی کام نہ تھا۔ کہ موہنی کی آنکھوں میں گیت پڑھتے اور کاغذ پر لکھ دیتے۔

دنیا ان گیتوں کو گاتی — اور گا گا کر جھوما کرتی۔ بڑی بڑی سبھاؤں میں اور بڑے بڑے اخباروں میں نرناتھ کا نام ایسے لیا جاتا۔ جیسے وہ کوئی دیوتا ہوں۔ کوئی اوتار

نوجوان تنہائی میں بیٹھ کر ان گیتوں کو پڑھتے اور تخیل کی آنکھوں سے اس حسن کو مخاطب کرتے جو نایاب تھا۔ نوجوان لڑکیاں رات کو سونے لگتیں۔ تو نرناتھ کے گیتوں کی کتاب سرہانے کے نیچے رکھ لیتیں، بوڑھے بزرگ چھوٹی چھوٹی محفلوں میں ان گیتوں کو گنگناتے اور ان میں اس لازوال ہستی کی تصویر دیکھتے جس میں آخر کار سب کو مِل جانا ہے۔

اور پربھو داس۔ بوڑھے پربھو داس۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر مسکرا دیتے وُہ سادھو تھے۔ دنیا سے انہیں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ لیکن تو بھی نرناتھ جیسے ان کی عبادت کا ایک حصّہ بن گیا تھا۔ اس سے وہ دور نہ جا سکتے تھے۔ ایک دن انھوں نے کہا۔ "نرناتھ! شہروں کی زندگی سے تو میں تنگ آ گیا۔ تھوڑے دن کہیں باہر ہو آؤں"۔

نرناتھ بولے "ہاں پربھو! میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ ایک بار ایسا جی کرتا ہے۔ کہ آوارہ سا فقیر بن کر کھنڈروں میں گھومتا پھروں۔ گاتا پھروں۔ اور میرے پاس آپ کے سوائے اور کوئی نہ ہو"

پربھو داس ہنس کر بولے "اور اگر موہنی تمہارے راستے میں آ کر کھڑی ہو جائے تو......!"

نرناتھ جلدی سے بولے "تو اسے ہٹا دینا ہو گا پربھو!"

پربھو داس غصّے سے بولے "اب تک کیا میں تمہیں یہی سکھا پایا ہوں؟ — نرناتھ! ناری پرش کا آدھا انگ ہے۔ جو اسے اپنے راستے سے ہٹا دینا چاہتا ہے وہ آپ ہی آدھی خودکشی کرتا ہے۔ میرے دل میں اس آدمی کے لئے کوئی عزّت نہیں

نرناتھ گھبرا کر بولے "پربھو! آپ نے مجھے غلط سمجھا۔ میرا مطلب صرف یہ تھا کہ......"

پربھو داس نے کہا "میں تمہارا مطلب نہیں جانتا بیٹا! لیکن میں سمجھتا ہوں ایسی بات نہیں کہنی چاہئے۔ ہاں موہنی کو اس سفر سے گشٹ ہو گا۔ اس لئے ہم تم

دونوں چل کر اس سے پرارتھنا کریں گے - کہ وہ ہمارے ساتھ نہ جائے گا۔
اور جب یہ پرارتھنا کی گئی - تو موہنی نے پربھوداس کے چرن پکڑ کر کہا -
"پربھو! ان کی رکھشا کا بھار آپ پر ہے - انہیں جیسا لے جا رہے ہیں - ویسا ہی واپس لانا ہوگا -
پربھوداس ہنس کر بولے "نرناتھ! آج تک میں صرف تمہارا گورو تھا آج سے رکھوالا بھی ہوا - تم گاتے ہو - میں گوپال سال بشودھا کی آگیا ہے - کہ اس گائے کو میں جیسا لے جاؤں ویسا ہی واپس لے آؤں -
یہ بات سن کر نرناتھ اور موہنی ہنس پڑے -
اور دوسرے دن نرناتھ نے موہنی کو پیار سے چومتے ہوئے کہا "اگر میری بہت ضرورت ہو - تو ٹیکسلا کے پوسٹ ماسٹر صاحب کی معرفت خط لکھ دینا

(۲)

پربھوداس نے سامنے پڑی تصویر کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا "نرناتھ! تم نے کہا تھا نا — کہ یہ تمہاری تصویر ہے؟"
نرناتھ بولے "ہاں پربھو!"
پربھوداس آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تصویر کی طرف دیکھ رہے تھے - بولے "لیکن — یہ — یہ تمہارے پیچھے کھڑی ہوئی لڑکی کون ہے؟"
نرناتھ ایک نیا گیت لکھ رہے تھے - جلدی سے بولے "لڑکی؟ اس تصویر میں تو میرے سوائے اور کوئی نہیں - لیکن سمجھا - میں نے آپ کو بتایا نہ کہ یہ تصویر ایک لڑکی نے کھینچی ہے - اسی سے آپ کو ایسا معلوم ہونے لگا ہوگا"
پربھوداس زیادہ تعجب کے ساتھ بولے "معلوم ہونے لگا ہوگا! نرناتھ یہ کیا کھیل ہے تم کہتے ہو - اس تصویر میں صرف تم ہی تم ہو - میں دیکھتا ہوں کہ اس میں تمہارے سوائے ایک لڑکی بھی ہے - اس لڑکی کی آنکھیں بڑی بڑی ہیں - اور ان میں ایک عجیب مستی سی ہے - عجیب دیوانگی سی - اچھا ٹھہرو - تم

کہتے ہو۔ یہ تصویر ایک لڑکی نے کھینچی ہے۔ ٹیکسلا کے اِن کھنڈروں میں یہ لڑکی کہاں سے آگئی؟"

نرناتھ بولے: "کہاں سے آگئی۔ یہ تو میں جانتا نہیں پربھو! لیکن کل شام جب میں پورب کی طرف کے کھنڈروں میں گھوم رہا تھا۔ تو اسے دیکھا۔ وہ ایک ٹیلے پر بیٹھی غروب ہوتے ہوئے سورج کی تصویر کھینچ رہی تھی۔ میں اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اور کہا: "آپ تو بہت اچھی تصویر بنا رہی ہیں گی" وہ بولی: "سچ! آپ کی بھی تصویر بنا دوں؟" میں نے ایسے ہی ہنسی میں کہا: "بناؤ تو؟" اس نے کہا: "ذرا سامنے کھڑے ہو جایئے۔ صرف ایک منٹ۔ میں آپ کو دیکھ لوں" میں کھڑا ہو گیا۔ اور تب اس کے پاس جا کر تصویر کو دیکھنے لگا۔ وہ اتنی تیزی سے تصویر بناتی تھی کہ میں نے بڑے بڑے مصوّروں کو بھی اتنی جلدی برش چلاتے نہیں دیکھا۔ آدھے گھنٹے میں اتنی بڑی تصویر بن گئی۔ اور وہ بولی: "اب اسے لے جایئے" میں نے ایسے ہی کہا: "آپ نے تصویر بنائی ہے۔ آپ ہی رکھیئے نا۔ وہ ہنس کر بولی: "میں یہ تصویر لے کر کیا کروں گی لیکن آپ ناراض نہ ہوں۔ مجھ میں ایک بیماری ہے۔ کہ میں جس بات کو ایک بار اچھی طرح دیکھ لیتی ہوں۔ اسے کبھی بھول نہیں سکتی۔ میں اور تصویر بنا لوں گی" میں نے پوچھا: "آپ رہتی کہاں ہیں؟" وہ پھر ہنس کر بولی: "یہیں!" تب میں چلا آیا۔ اس تصویر کو لے کر"

پربھو داس کچھ سوچنے لگے۔ انہیں اب بھی ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ نرناتھ کی اس تصویر میں نرناتھ کے پیچھے ایک لڑکی کھڑی ہے۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور کالی کالی ہیں۔ ان میں ایک عجیب مستی ہے۔ ایک عجیب دیوانگی سی۔

اس وقت ان کے پاس ہی سے کسی نے کہا: "نرناتھ! گیت ختم نہیں ہوا؟" پربھو داس نے چونک کر دیکھا۔ اِن کے پاس ہی ایک لڑکی کھڑی ہے۔ اتنی حسین۔ اتنی حسین کہ اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی انھوں نے آج تک نہ دیکھی تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور کالی کالی تھیں۔ ان میں ایک عجیب

مسنی تھی - ایک عجیب دیوانگی سی -

نرناتھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے - کھڑے کھڑے ہی بولے " آیئے - گیت تو ابھی ختم نہیں ہوا - یہ میرے گورو ہیں - شری پربھو داس ---- اور پربھو! یہ ہی ہیں جنھوں نے سامنے والی تصویر بنائی تھی "

اس لڑکی نے پربھو داس کی طرف دیکھا - ہاتھ جوڑ دیئے - لیکن اس کی آنکھوں میں ایک عجیب جذبہ سا تھا - نفرت نہیں تھی - حقارت نہیں - لیکن پھر بھی کچھ ایسی بات جو صرف نفرت اور حقارت سے ہی پیدا ہو سکتی ہے - ایک پراسرار اداسی سی - اس جذبے کو دبا کر اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا " جے گورو دیو! "

پربھو داس اٹھ کر کھڑے ہو گئے - بولے " تمہاری آواز - تمہاری صورت - ایسے معلوم ہوتا ہے - جیسے پہچانی سی ہے - تمہارا نام کیا ہے بیٹی؟ "

جواب ملا - " مایا! "

پربھو داس گنگناتے ہوئے بولے " مایا! ---- شاید مجھے دھوکا ہوا - یہ نام تو میں نے پہلے کبھی نہیں سنا - تم کہیں رہتی ہو بیٹی؟ "

مایا نے سنجیدگی کے ساتھ کہا " اتنے سمجھ دار ہو کر گورو دیو! کیسی بچوں جیسی باتیں کرتے ہو - انسان کیا کبھی کہیں بھی رہتا ہے - انسان میں اس کا من نہ ہو تو وہ مردہ ہے - اور من ایک سیکنڈ کے لئے بھی کہیں رہتا نہیں - چند سیکنڈ بھی کہیں ٹھہر جائے - تو شاید اسے اپنا مقصد حاصل ہو جائے - لیکن وہ ٹھہرتا نہیں چلتا رہتا ہے - ہر روز - ہر روز اور ہمیشہ - ہاں - یہ لاش یہیں رہتی ہے کچھ دنوں سے "

پربھو داس حیران ہو کر بولے " معلوم ہوتا ہے مایا - تم صرف مصور نہیں فلاسفر بھی ہو "

مایا نے ہنس کر کہا " میں فلاسفر نہیں گورو دیو! ---- سادھارن سی غریب لڑکی ہوں - لیکن منو ناتھ! میں نے سمجھا تھا - آپ کا گیت ختم ہو گیا ہوگا

شاید آپ کھنڈروں میں گھومنا پسند کریں۔ میں ان کھنڈروں کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ بہت کوشش کر کے میں نے معلوم کیا ہے۔ کہ کھنڈر بننے سے پہلے کونسا مکان کیا تھا۔ وہاں کیا ہوتا تھا۔ کیسے لوگ رہتے تھے۔ کیا کیا کرتے تھے؟"

پربھوداس حیرت کے ساتھ بولے ۔ "تم کیا کچھ ہو ۔ مصوّرہ فلاسفر محقق"۔

مایا مسکرا کر بولی ۔ "اور سب کچھ ہونے کے بعد بھی ایک غریب لڑکی ۔۔ چلیئے آپ کو ان کھنڈروں کی سیر کراؤں؟ ۔۔"

پربھوداس نے نرناتھ کی طرف دیکھا ۔۔ نرناتھ نے پربھوداس کی طرف ۔۔ تب دونو ہی بولے :۔ "چلو!"

ابھی شام نہیں ہوئی تھی لیکن آسمان میں بادل ہونے کی وجہ سے اور ہلکی ہلکی ہوا چلنے کے کارن موسم بہت اچھا تھا۔ مایا نے کھنڈروں میں داخل ہوتے ہوئے کہا :۔ "گورودیو! ۔ نرناتھ! ۔ ہوسکتا ہے ۔ آپ لوگوں نے بھی ان کھنڈروں کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہو ۔ لیکن آپ لوگوں کو اور بھی بہت سے کام ہیں۔ مجھے اور کوئی کام نہیں۔ اسی لئے میں بہت دھیان سے یہ ساری کھوج کر سکی ہوں۔ جس شہر میں ہم داخل ہو رہے ہیں ۔ ایک دن اس میں بے انت رونق تھی ۔ جس راستے سے ہم داخل ہوتے ہیں ۔ یہ دراصل شہر کا راستہ نہیں ہے ۔ یہاں ایک مکان تھا ۔ مزدوروں نے اسے توڑ کر راستہ بنادیا۔ شہر کا دروازہ پورب کی طرف تھا ۔ اب بھی اس کا کچھ حصہ باقی ہے"

تھوڑی دور اور آگے چل کر اس نے کہا :۔ "اور یہاں ۔ پرانے اتہاس کے مطابق ایک آدمی رہتا تھا ۔ جس کا نام تھا "جے گھوش" ۔۔ اس کی ایک لڑکی تھی لیلا ۔۔ اس لڑکی کے کارن ہی یہ شہر تباہ ہوا ۔۔ عظیم الشان تکش شلا کھنڈر بن گیا ۔"

نرناتھ جلدی سے بولے :۔ "وہ لڑکی ۔۔ وہ لڑکی کون تھی؟ اس کے کارن یہ

شہر کیوں تباہ ہُوا؟

مایا نے ہنس کر کہا "آپ تو اس طرح گھبرا رہے ہیں۔ جیسے یہ شہر آج تباہ ہُوا ہے۔ آج نہیں۔ صدیوں پہلے کی بات ہے۔ ذرا آگے چلیئے۔ وہ سامنے جہاں آپ بہت کھلا میدان سا دیکھتے ہیں نا۔ اور اس کے پرے وہ پہاڑ جسے کھودنے والے ابھی تک صاف نہیں کر سکے۔ یہاں ٹکش شلا کا وہ مہان وشو ودیالہ تھا جس کے کارن پرانے زمانے میں ٹکس شلا کا نام اتنی ہی عزت کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ جتنی عزت کے ساتھ کہ آپ آج آکسفورڈ اور کیمبرج کا نام لیتے ہیں۔ اس وقت دُور دُور سے چین اور تبت سے۔ مرکزی ایشیا اور مصر سے۔ امریکہ اور اٹل آنتک سے۔ لوگ یہاں پڑھنے کے لیے آتے تھے۔"

پربھو داس بولے "اٹل آنتک کون ملک ہے؟"

مایا پھر ہنسی۔ بولی "اوہ! غلطی ہوئی۔ اٹل آنتک ایک دیش تھا۔ لگ بھگ افریقہ جتنا۔ لیکن آج نہیں ہے۔ صدیوں پہلے وہ دیش غرق ہو گیا۔ وہاں قیامت آ گئی۔ آج وہاں ایک مہان سمندر لہراتا ہے۔ اور اس سمندر کو دنیا اٹلانٹک کہتی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے درمیان۔ وہ سامنے دیکھیے۔ وہ جو ایک اونچا سا ستون ہے نا۔ وہ ایک بہت بڑے محل کا حصہ تھا۔ اس محل میں اٹل آنتک کے راجہ دت شری نیل کنٹھ رہتے تھے۔ ان کا ایک بیٹا تھا۔ اور اس کا نام تھا پرش سوامی۔"

نرناتھ حیران ہو کر بولے "مایا! تم کیا کچھ جانتی ہو؟"

مایا مسکرا کر بولی "بہت کچھ نرناتھ۔ یہ دیکھیے۔ جس جگہ سے ہم گزر رہے ہیں۔ یہاں کبھی بہت بڑا مکان تھا۔ اور اس مکان میں رہتے تھے ٹکش وشو ودیالہ کے پوجیہ آچاریہ شری...... شری...... ان کا نام مجھے بھول گیا ہے۔ لیکن دنیا انہیں آچاریہ کے نام سے ہی جانتی تھی۔ اسی نام سے پکارتی تھی۔ لنکا سے دُور منگولیا تک۔ اور جاپان سے دور۔ اٹل آنتک و امریکہ

تک انہیں گورہ دیوی کہا جاتا تھا - اور یہ جو آپ بہت بڑا سا پہاڑ دیکھتے ہیں نا اس کے نیچے اس زمانے کا راج محل تھا - جب یہ شہر تباہ ہوا تب یہاں ایک عورت حکومت کرتی تھی اور اس کا نام تھا - منوھرا - اس شہر کی تباہی میں اس نے بہت بھاری حصہ لیا۔"

نرناتھ بولے ۔" اس راج محل کو ابھی کھودا نہیں گیا؟"

مایا نے کہا" ابھی نہیں - شاید کھودنے والوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو - کہ اس پہاڑ کے نیچے اب بھی وہ راج محل موجود ہے - صرف میں ہی اس بات کو جانتی ہوں - کیوں کہ میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے - پراچین آریہ شہروں کی بناوٹ کے مطابق یہاں راج محل کے سوائے اور کوئی عمارت ہو ہی نہیں سکتی - اور پھر اس جگہ کے سوائے مہارانی منوھرا کا محل اور کہیں ہے بھی نہیں - حالانکہ کتنی ہی کتابوں میں بار بار اس کا نام آیا ہے - جب شہر تباہ ہوا - تب منوھرا کی عمر بیس برس کے قریب تھی - وہ بے حد حسین تھی - اس کی آنکھوں میں جادو تھا۔"

اسی وقت آسمان میں بہت زور سے بادل گرج اٹھے - پتہ نہیں کس وقت گھنگھور کالی گھٹائیں گھر کو آ گئی تھیں - پربھو داس نے جلدی سے کہا" اب ہمیں واپس چلنا چاہئیے - معلوم ہوتا ہے - جلدی ہی بارش ہو گی - نرناتھ کی صحت پہلے ہی اچھی نہیں۔"

مایا ہنسی - بولی ۔" ہمیشہ وہی بات ۔" لیکن اس کے ساتھ ہی جلدی سے بولی ۔" بزرگوں کو بچوں کا کتنا خیال رہتا ہے - رہنا بھی چاہئیے - چلئیے نرناتھ! واپس چلئیے۔"

(۳)

بہت زور سے بارش ہو رہی تھی - بجلیاں جیسے پاگل ہو گئی تھیں - شام کے ہی وقت آدھی رات کا اندھیرا چھا گیا تھا - نرناتھ بھیگے کپڑے اتارتے ہوئے بولے ۔" پتہ نہیں مایا اپنے گھر پہنچ سکی یا نہیں؟"

پربھو داس جیسے چونک کر بولے "کون ؟ ـــ وہ لڑکی ـــ نرناتھ! پتہ نہیں کیوں مجھے اس لڑکی سے خوف معلوم ہوتا ہے ـ"

نرناتھ ایک معصوم ہنسی کے ساتھ بولے "خوف ؟ ـــ پربھو! آپ کیسی باتیں کہتے ہیں ـ وہ صرف ایک لڑکی ہے ـ بہت سمجھدار ـ بہت سندر ـ اس نے بتایا نہیں ـ لیکن مجھے یقین ہے ـــ وہ لاہور کے کسی کالج میں پڑھتی ہے"

پربھو داس کچھ سوچتے ہوئے اپنے خیمے میں چلے گئے ـ

نرناتھ ہنستے ہوئے دل کے ساتھ سوچتے رہے "خوف! کیا کوئی اتنے سندر سپنے سے بھی خوفزدہ ہو سکتا ہے ـ آج ـــ اگر پربھو داس ساتھ نہ ہوتے"

ــــــــ (۴) ــــــــ

اور دوسرے دن صبح ہی نرناتھ پربھو داس کو بتلائے بغیر اپنے خیمے سے باہر نکل گئے ـ دُور اُس طرف جہاں پہلے پہل وہ مایا کو ملے تھے ـ اور جہاں اس نے اُن کی تصویر کھینچی تھی ـ لیکن وہاں مایا نہیں تھی ـ اس لئے وہ ایک ٹیلے پہ بیٹھ کر اپنا ایک پرانا گیت گانے لگے

"مایا چھایا میں بھرمایا — جگ کا پایا کیا کرتا!
پریم کیا تو دکھ سہے اب — پریم کسی سے کیوں ڈرتا"

اسی وقت ان کے پیچھے گیت کے سُر کے ساتھ سُر ملا کر کسی نے ایک مدھر بینا بجادی نرناتھ نے گھوم کر دیکھا ـ مایا گلے میں بینا لٹکائے اُن کے پیچھے کھڑی پتلی پتلی سفید انگلیوں سے تاروں کو ہلا رہی ہے ـ جلدی سے بولے :ـ

"مایا! میں نے سوچا ـ شاید تمہیں اب مل نہ سکوں گا"

مایا نے کہا "ایسا سوچنے کی کوئی وجہ تو نہ تھی ـ لیکن آپ گائیے نا ـ آپ کا یہ گیت مجھے بہت اچھا لگتا ہے ـ گائیے میں بینا بجاؤں گی"

نرناتھ بولے "تمہیں ہر وقت ہنسی سوجھتی ہے ـ میں گانا نہیں جانتا ـ صرف گیت لکھنا جانتا ہوں"

مایا نے ہنس کر کہا "معلوم ہوتا ہے۔ آپ گانا نہیں چاہتے۔ اچھی بات ہے۔ نہ گایئے آپ یہیں بیٹھے رہیئے۔ میں آپ کے سامنے کھڑی ہو کر بینا بجاؤں گی۔ دیکھیئے۔ آپ کو کوئی نیا گیت سوجھتا ہے یا نہیں"

اور تب اُن کے جواب کا انتظار کیے بنا ہی وہ بینا بجانے لگی۔ وہ ایک عجیب سی سُر تھی۔ ایسے جیسے ایک آبشار۔ دوسرے آبشار سے رات کی خاموشی میں پرانی راز کی کوئی بات کہہ رہا ہو۔ کم سے کم نرناتھ نے ایسا ہی محسوس کیا۔ بینا کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر وہ گانے لگے۔

"بھٹک بھٹک کئی جگ بیتے — تب ہو ملے نا میت
آدھی رات پریہ درشن دیکر — اب ہو نبھاؤ پریت"

مایا پورے جوش کے ساتھ بینا بجا رہی تھی۔ اپنے آپ کو بھول کر۔ اس کی ساڑھی سرک کر سر سے نیچے گر گئی۔ اور آنکھیں بند کر کے وہ گانے لگی۔

"بھٹک بھٹک کئی جگ بیتے — آج ملے ہو میت
آدھی رات پریہ درشن دیکر — اب ہی نبھائی پریت"

پتہ نہیں کب گاتے ہی گاتے وہ ناچنے لگی۔ اتنے جوش کے ساتھ اتنی تیزی کے ساتھ کہ نرناتھ پاگل ہو اٹھے بھاگ کر اس کے پاس پہنچے۔ اور اسے دونوں بانہوں میں جکڑ کر بولے "مایا!"

مایا نے اُن کے گلے میں اپنی باہیں ڈال دیں۔ اور آہستہ سے کہا "نرناتھ!"

اسی وقت پیچھے سے کسی نے کہا "نرناتھ!"

نرناتھ نے چونک کر دیکھا۔ پربھو داس کھڑے ہیں۔ جلدی سے مایا کو چھوڑ کر پرے ہو گئے۔ اور پرنام کر کے بولے "پربھو!"

پربھو داس اپنے غصے کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولے "نرناتھ! تم نے ابھی تک صبح کا ناشتہ نہیں کیا۔ ڈیرے پر چلو!"

مایا نے مسکرا کر کہا "گورودیو! آج مجھ غریب کی کٹیا پر کھانا کھا لیجیئے نا!"

پربھو داس جلدی سے بولے "نہیں مایا! تمہاری مہربانی۔ ہمارے ہاں کھانا تیار ہے۔ وہ ضائع جائے گا۔"

مایا پھر ہنسی۔ بولی "اچھی بات ہے۔ لیکن شام کو کھنڈروں میں گھومنے تو چلیے گا نا۔ میں آپ کو لینے آؤں گی!"

(۵)

اور ڈیرے پر پہنچ کر پربھو داس بولے "نرناتھ! کل صبح کی گاڑی سے ہم واپس جا رہے ہیں۔"

نرناتھ نے چونک کر کہا "کیوں پربھو! اتنی جلدی؟"

پربھو داس غصے کے ساتھ بولے "جلدی تو ہے۔ لیکن اس کا کارن اپنے دل سے پوچھو۔ وہ بدمعاش مایا . . . . ."

نرناتھ جلدی سے بولے "پربھو! دیوی کے لئے ایسی گالی دیتے ہوئے آپ کو . . . آپ کو دکھ ہونا چاہیئے۔"

پربھو داس طنزاً ہنس کر بولے "دیوی! یقیناً۔ تم کو پتہ بھی نہیں لگا اور اس نے تم کو۔ جو موہنی اور صرف موہنی کے تھے۔ اپنا بنا لیا۔ کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو کہ تم اس سے پیار کرتے ہو۔ نرناتھ سر جھکا کر بولا "انکار تو نہیں کر سکتا پربھو!"

پربھو داس نے پیار کے ساتھ کہا "اسی لئے کل ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ بیٹا! یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

نرناتھ سر اٹھا کر بولے "لیکن یہ میرا آخری فیصلہ نہیں۔ میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔ نہ آج۔ نہ کل۔ نہ پھر کبھی!"

پربھو داس دکھ کے ساتھ بولے "لیکن یہ پاپ ہے بیٹا۔ تم تو سب کچھ جانتے ہو۔"

نرناتھ سر جھکا کر بولے "جانتا ہوں پربھو۔ لیکن میرا دل۔ میرا دل جو نہیں مانتا میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔ آپ جانا چاہیں تو چلے جایئے۔ موہنی کو جا کر کہیئے۔

نرناتھ کو بھول جائے۔ نرناتھ اس کا کوئی نہیں لگے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ جلدی سے دوسرے خیمے میں چلے گئے۔

(۶)

پربھو داس غم کے ساگر میں ڈوبے ہوئے چپ چاپ بیٹھے رہے۔ شاید شام تک اسی طرح بیٹھے رہتے۔ اگر تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی خیمے کے دروازے پر کھڑا ہو کر اونچی آواز میں نہ کہتا "جے شو شنکر مہاراج!"

پربھو داس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ ایک بھکاری کھڑا ہے۔ بولے "آؤ بابا! بھوجن کرو گے؟"

بھکاری نے کہا "آپ سادھو ہیں۔ آپ کے ہاں بنا قیمت دئے بھوجن کرنا ٹھیک نہیں۔ آپ کھانا کھلایئے۔ میں اپدیش کروں گا"

پربھو داس آج بہت اُداس تھے۔ بولے "کیا اپدیش کرو گے بابا؟"

بھکاری نے کہا "اپدیش یہ ہے کہ — اَبھیمان مت کرو۔ یہ سامنے والا شہر جو کھنڈر ہو گیا ہے — ایک دن بہت بڑی راجدھانی تھی۔ یہاں کی رانی کا نام تھا منوہرا"

پربھو داس چونک اُٹھے۔ یہ نام انھوں نے پہلے بھی سنا تھا۔ لیکن اپنے تعجب کو دبا کر بولے "بیٹھ جاؤ نا بابا"

بھکاری اپنی لاٹھی کو ایک طرف رکھ کر بیٹھ گیا۔ بولا "منوہرا بہت خوبصورت تھی۔ بہت سمجھدار۔ ٹکش شلا وشو ودیالہ کے پوجیہ آچاریہ خود اس کو پڑھاتے تھے۔ آچاریہ جی بہت بھلے آدمی تھے۔ بہت اچھے۔ راج کا بھلا چاہنے والے۔ اسی لئے جب منوہرا جوان ہوئی۔ تو انھوں نے ایک بدیشی راجدوت کے لڑکے — شری پرش سوامی سے اس کا بیاہ کر دیا۔ پرش سوامی کے پتا کا نام تھا نیل کنٹھ اور وہ چین راجیہ کا راجدوت تھا۔ اس کے راج گھرانے سے بھی گہرا تعلق رکھتا تھا۔ شاید وہ راجہ کا چھوٹا بھائی تھا"

پربھو داس بولے "تب — تب کیا ہوا؟"

بھکاری نے کہا "تب نہیں۔ اس سے پہلے ہی بہت کچھ ہو چکا تھا۔ پرش سوامی تکش شلا دشو ودیالہ میں پڑھتا تھا۔ اور وہیں اس کے ساتھ پڑھتی تھی ایک لڑکی۔ اس کا نام لیلا تھا۔ لیلا تکش شلا کے پردھان سیناپتی شری جے گھوش کی بیٹی تھی۔ اور اپنے حسن کے لئے دیش بھر میں مشہور تھی"

پربھو داس نے کہا "پھر؟"

بھکاری بولا "پرش سوامی اور منوہرا کے بیاہ سے پہلے پرش سوامی اور لیلا دونوں میں بہت پریم تھا۔ اتنا کہ آج تک کبھی کسی نے اتنا پریم نہیں دیکھا۔ اسی لئے جب پرش سوامی کا بیاہ منوہرا کے ساتھ ہو گیا۔ جب آچاریہ جی نے اس کوشش میں کہ پرش سوامی لیلا کو بھول جائے۔ اسے ایک طرح سے راج محل میں قید کر دیا تو لیلا دکھ سے پاگل ہو گئی۔ سیناپتی جے گھوش نے اپنی اکلوتی بیٹی کی یہ حالت دیکھی۔ تو غصے سے دیوانے ہو اٹھے۔ ساری فوج ان کے ماتحت تھی۔ اور وہ دل ہی دل میں آچاریہ۔ منوہرا۔ اور پرش سوامی سے اپنی بیٹی کے دکھ کا بدلہ لینے کی ترکیب سوچ رہے تھے"

پربھو داس نے ایک لمبا سانس لے کر کہا "تب؟"

بھکاری نے کہا "اور دوسری طرف نیل کنٹھ بھی اپنے بیٹے کے لئے بے چین ہو اٹھے۔ آچاریہ جی چاہتے تھے کہ وہ اسے پوری طرح منوہرا کا غلام بنا دیں تاکہ پرش سوامی پھر کبھی تکش کھنڈ سے باہر جانے کا نام نہ لیں اس لئے وہ کسی کو بھی ان سے ملنے نہ دیتے تھے۔ ایک بار نیل کنٹھ نے اپنے بیٹے کو ملنے کی کوشش کی۔ تو راج محل کے دروازے پر ان کی بے عزتی کی گئی۔ تکش کھنڈ اس وقت بہت بڑا راجیہ تھا۔ بہت دور دور تک پھیلا ہوا۔ اسی لئے آچاریہ جی نے ابھیمان کے ساتھ کہا۔ مہارانی منوہرا کی اجازت کے بغیر پرش سوامی کے نزدیک جانے والے کا سر کاٹ لیا جائے گا۔ نیل کنٹھ غصے سے جلتے ہوئے واپس آ گئے۔ اس کے ایک ہی مہینے کے بعد نیل کنٹھ نے اپنے مہاراج کی طرف سے تکش شلا

کے پردھان منتری کو ایک پیغام دیا۔ کہ یا تو چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر پرتش سوامی کو تکش شلا سے باہر نکال دیا جائے۔ یا حملہ کر دیا جائے گا۔ اور اس وقت سچ ہی دشمن کی فوجیں تکش کھنڈ کی سرحد پر کھڑی تھیں۔ اسی وقت جے گھوش کے لئے بدلہ لینے کا وقت آیا۔ پردھان منتری نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ تکش کھنڈ اور تکش شلا کی حفاظت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ جے گھوش نے دل میں کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ہمارے دیش میں آنے والا دشمن زندہ واپس نہیں جائے گا"

پربھوداس جلدی سے بولے "تب کیا جنگ ہوئی؟"

بھکاری بولا "ہاں مہاراج! جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں دشمن نے تکش کھنڈ کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ جے گھوش جان بوجھ کر فوج کے ساتھ ان علاقوں میں پھرتے رہے۔ جہاں دشمن کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ جب تکش شلا پر حملہ ہوا۔ تو وہ یہاں بھی نہیں تھے۔ دشمن کی فوجیں بے دھڑک ہو کر شہر میں داخل ہوئیں۔ ہر طرف انہوں نے لوٹ مار مچا دی۔ بڑے بڑے مکان زمین کے ساتھ ملا دیے گئے۔ تکش شلا کا وشو ودیالہ نشٹ کر دیا گیا۔ لائبریریوں کو آگ لگا دی گئی۔ کروڑوں روپیہ کے گرنتھ جل کر خاک ہو گئے۔ آچاریہ جی نے کوشش کی۔ کہ وشو ودیالہ کو بچائیں۔ لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ وہ بھاگ کر راج محل کے دروازے پر پہنچے۔ لیکن وہاں بھی مار کاٹ مچی ہوئی تھی۔ اسی وقت دور سے ایک تیر آیا۔ اور آ کر آچاریہ جی کے سر میں لگا۔ آچاریہ جی وہیں گرے اور ختم ہو گئے۔ تیر کو مارنے والے جے گھوش تھے۔ اُن کی آنکھوں سے خون برس رہا تھا۔ آج وہ اپنی بیٹی کے دشمنوں سے بدلہ لے رہے تھے"

پربھوداس ہمہ تن گوش بنے سن رہے تھے۔ اور بھکاری کہہ رہا تھا "جے گھوش اس بات کی انتظار میں تھا۔ کہ کب پرتش سوامی اور منوہرا راج محل سے باہر نکلیں۔ اور وہ اپنے زہر میں بجھے تیروں سے پرتش سوامی کا خاتمہ کر دے۔ کہ معاً محل کے پیچھے دروازے سے وہ دونوں باہر نکلے۔ دشمن کے سپاہی

اُس طرف نہیں تھے ۔ جے گھوش نے کمان پر تیر چڑھایا ۔ چلّا کھینچا ۔ اور تیر کو چھوڑنے ہی لگا تھا ۔ کہ کوئی چلّا اٹھا ۔ بابا! ۔ بابا! یہ کیا کرتے ہو ۔ اس کے ساتھ ہی کوئی پرش سوامی کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا ۔ جے گھوش کا تیر کمان سے نکل چکا تھا ۔ وہ پرش سوامی کی بجائے اس سامنے کھڑے ہونے والے کو لگا ۔ اور پرش سوامی نے حیران ہو کر دیکھا ۔ کہ وہ پگلی لیلا تھی ۔ تیر اُس کے سینے کے آر پار ہو گیا ۔ اور وہ زمین پر تڑپ رہی تھی ۔ پھر بھی چلّا کر بولی ۔ منوہرا پرش سوامی کو لے کر جاؤ ۔ میرے پتا آپ لوگوں کا خون چاہتے ہیں ۔ منوہرا لیے اس کے پاس آکر کہا ۔ "لیلا" ۔ لیلا بولی ۔ اب جاؤ ۔ لیکن یاد رکھو پُرش سوامی میری امانت ہے ۔ میں اُسے واپس بُلا لوں گی!"

منوہرا اور پرش سوامی بھاگ گئے ۔ شہر میں تباہی مچی ہوتی تھی ۔ سارے دیش میں قیامت بپا تھی ۔ تب بھگوان نے کرپا کی ۔ ایک بہت بھاری بھونچال آیا تکش کھنڈ کے دشمن وہیں دب کر رہ گئے ۔ تکش شِلا بھی دُب گیا ۔ آج اُس کے کھنڈر نکلے ہیں ۔ یہ ابھیمان کا انت ہے مہاراج ۔ ابھیمان نہیں کرنا چاہیے!"

———(۷)———

پربھو داس اس کہانی کو سُن کر بے حد اُداس ہو گئے تھے ۔ آہستہ سے بولے ۔ "اچھا بابا! ۔ تم اب کھانا کھاؤ!" ۔ اور اُنھوں نے نوکر کو بلا کر بھکاری کو روٹی دینے کے لیے کہہ دیا ۔

اور تب چُپ چاپ بیٹھ کر سوچنے لگے ۔ سوچتے سوچتے اُنھوں نے ایک کاغذ لکھ کر اپنے نوکر کو دیا ۔ اور پھر سوچنے لگے ۔ آج جیسے ان کے لیے زندگی کے تمام مسایل ایک ہی بار متحد ہو کر سامنے آ کھڑے ہوئے تھے ۔

———(۸)———

شام کے وقت جب وہ کھنڈروں میں گھوم رہے تھے ۔ تو پربھو داس نے بہت غور سے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔ "بابا! اِتنے دِن ہو گئے

لیکن تم نے ہمیں اپنا مکان نہیں دکھایا۔"

مایا ہنس کر بولی "میرا مکان دیکھئے گا گورودیو! تو آیئے۔ ادھر ہے میرا مکان!"

نرناتھ جلدی سے بولے "کھنڈروں ہیں!"

مایا نے کہا "گھبرایئے مت۔ یہ راج محل کے کھنڈر ہیں۔ دیکھئے اوپر یہ کتنا بڑا پہاڑ کھڑا ہے۔ راج محل میں جانے کا صرف ایک راستہ ہے۔ یہ گپھا۔ اس کے اندر تھوڑی دور تک اندھیرا ہے۔ آگے نہیں۔ آگے روشنی جل رہی ہے۔ آیئے۔ نرناتھ! اپنا ہاتھ مجھے پکڑا دو!"

پربھوداس، نرناتھ اور مایا۔ تینوں اس گپھا کے اندر چلے۔ آگے جا کر واقعی روشنی تھی۔ اور اس سے تھوڑا ہی آگے ایک عالی شان کمرہ۔ جیسے کوئی بہت بڑا ہال ہو گا۔

مایا نے کہا "گورودیو! یہی میرا مکان ہے۔ کھنڈروں میں گھومتے ہوئے میں نے دیکھا کہ یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ ٹیکسلا کے طوفانوں کا یہاں اثر نہیں ہوتا۔ تب میں نے اسے اپنے مذاق کے مطابق سجا لیا۔ یہ دیکھئے۔ یہ میری بنائی ہوئی تصویریں ہیں۔ لیکن ان تمام تصویروں کا تعلق ٹیکسلا کی تباہی کے اتہاس سے ہے۔ یہ دیکھئے اِتلانتک کی فوجیں شہر میں داخل ہو رہی ہیں۔ خود بیل کنٹھ اُن کی رہنمائی کر رہے ہیں۔"

نرناتھ نے حیران ہو کر کہا "اتنا بڑا شہر تھا یہ؟"

مایا بولی "ہاں۔ اور یہ دیکھئے۔ یہ ہیں شری جے گھوش تکش کھنڈ کے پردھان سیناپتی۔ اور دیش کے سب سے بڑے غدّار۔ جنھوں نے محض اپنی بیٹی کے غم کا بدلہ لینے کے لیے کروڑوں انسانوں کا خون کرا ڈالا۔ ہندوستان کا سربناش کر دیا۔ انھیں پرنام کیجئے۔ یہ نفرت کے دیوتا ہیں!"

نرناتھ چلّا کر بولے "اوہ!"

پربھوداس نے ایک اور تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا "اور یہ۔ یہ

کون ہے؟

مایا نے پربھوداس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "یہ مہارانی منوہرا ہیں"

نرناتھ نے کہا "لیکن یہ تو....."

پربھوداس اُن کا ہاتھ پکڑ کر بولے "چپ کرو نرناتھ!"

مایا نے کہا "اور یہ دیکھیے — یہ پرش سوامی ہیں ......!"

لیکن پیشتر اس کے کہ نرناتھ پرش سوامی کی تصویر کو دیکھتے پربھوداس دھڑام سے فرش پر گر پڑے -

نرناتھ نے چلّا کر کہا "پربھو!"

پربھوداس آہستہ سے بولے "میرا دم بیٹا۔ میرا دم گھٹا جا رہا ہے مجھے باہر لے چلو — !"

نرناتھ پرش سوامی کی تصویر کو دیکھ نہیں سکے - دیکھتے تو شاید ان کا بھی دم گھٹنے لگتا — وہ پربھوداس کو اٹھا کر باہر آئے - مایا بھی ان کے ساتھ ہی آئی - باہر کی ہوا لگنے سے پربھوداس کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی - اور وہ دھیمے سے بولے "بیٹا! چلو — ڈیرے کو چلیں - مایا کی باقی تصویریں پھر دیکھیں گے!"

مایا تھوڑی دور تک اُن کے ساتھ آئی - اور پھر واپس چلی گئی —

پربھوداس اپنے خیمے میں جا کر بہت دیر تک چپ چاپ بیٹھے رہے - رات کے وقت نرناتھ نے کہا "پربھو! کھانا کھا لیجیے" - تو وہ بولے "میں آج نہ کھاؤں گا بیٹا — تم کھاؤ!"

رات تاریک ہو چلی — تارے نکل آئے - لیکن پربھوداس کی آنکھوں میں نیند نہ تھی - معاً وہ اُٹھے — اور خیمے سے باہر آن کر کھلی ہوا میں گھومنے چلے گئے — جیسے اندر ان کا دم گھٹ رہا تھا..........

پربھوداس نے دیکھا۔ ایک چھوٹی سی چٹان پر مایا اپنی بینا لئے بیٹھی ہے ۔۔ خاموش ...... اپنی آنکھوں میں ایک عجیب سی مستی اور دیوانگی سنبھالے پربھوداس کو دیکھتے ہی مایا بولی " آپ آ گئے ۔ گورو دیو! میں جانتی تھی کہ آپ ضرور آئیں گے۔ میں آپ کی ہی انتظار کر رہی تھی "

پربھوداس بولے " تم کیا کچھ جانتی ہو۔ یہ مجھے معلوم نہیں۔ لیکن میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ صدیوں پرانے ایک قصّہ کے خلاف تمہارا بدلہ اب بھی جاری ہے۔ ظالم باپ کی ظالم بیٹی! میں تم سے دیا کی بھیک مانگتا ہوں "

مایا بولی " دیا کی بھیک؟ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

پربھوداس بولے " مایا! مجھے بنانے کی کوشش مت کرو۔ میں سب کچھ جانتا ہوں ۔۔ نرناتھ

آج نرناتھ ہے۔ لیکن ایک دن یہی پُرش سوامی تھا۔ موہنی آج موہنی ہے۔ لیکن ایک دن یہی مہارانی منوہرا تھی ۔۔ اور تم ۔۔ تم لیلا ہو ۔۔ "

مایا پھر ہنسی ۔ بولی " بس ۔ یہی آپ جانتے ہیں؟ "

پربھوداس بولے " ہاں ۔۔ اور میں تم سے دیا کی بھیک مانگنے آیا ہوں لیلا۔ پرش سوامی اب تمہارا نہیں ہو سکتا۔ وہ موہنی کا ہے۔ اُس کے ساتھ اس کی شادی ہو چکی ہے ۔۔ میں سادھو ہوں۔ ایک بار کہہ دو۔ کہ تم نے دیا کی بھیک دی۔

مایا کے ہونٹوں پر نفرت سے بھرا ایک عجیب تبسّم ناچنے لگا۔ گرج کر وہ بولی ۔۔ کون دیا کی بھیک مانگتا ہے ۔۔۔ تم؟ ۔۔۔ شرم نہیں آتی پربھوداس! آج تم پربھوداس ہو ۔۔ لیکن آج سے بہت پہلے تمہارا نام ایشور سیوک تھا ۔۔ اور تم ۔ تم ہی اس نکش شلا دیالہ کے پوجیہ آچاریہ ۔ پوجیہ گورو دیو تھے ۔ تم ہی نے میرے پُرش سوامی کو مجھ سے چھین کر منوہرا کو دے دیا ... آج تم ہی دیا کی بھیک مانگتے ہو۔ اس وقت تمہارے دل میں دیا نہ تھی

تم نے میرے آنسوؤں کو دیکھا - اور اُن کی ہنسی اُڑائی - تم نے پُرش سوامی کو یقین دلایا - کہ لیلا بدمعاش ہے - تم نے اپنے ابھیمان سے تکش شلا کا سرناش کیا - تم نے ...... اوہ! آج تم دیا کے بھکاری بن کر آئے ہو!"

پربھوداس کو ایسے معلوم ہُوا جیسے وہ بے ہوش ہو رہے ہیں - وہ زمین پر بیٹھ گئے - اور آہستہ سے بولے - "ایک بار پھر - ایک بار پھر وہی کھیل کھیلنا چاہتی ہو لیلا - پھر وہی تباہی کا گیت!"

لیلا نے مضبوط آواز میں کہا - "میں تمہاری طرح مغرور راجہ گھوش کی طرح بے وقوف نہیں ہوں - میں صرف اپنے پُرش سوامی کو واپس چاہتی ہوں - انہیں مجھ کو دے دو - اور تم اور منوہرا - جہاں چاہو جاؤ - سورگ میں یا نرک میں مجھے اس کی کوئی پروا نہیں!

پربھوداس بولے "لیکن سوچو - تمہارا اور اُس کا ساتھ کیسے ہو سکتا ہے - وہ زندہ ہے - اور تم ......"

لیلا نے آہستہ سے کہا "میں زندہ نہیں ہوں - یہ ٹھیک ہے میں صرف آتما ہوں - میرا یہ جسم محض آنکھوں کا دھوکا ہے! - لیکن آچاریہ اگر دیو! تھوڑی دیر کے لئے سوچو - میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا - تم نے مجھ سے میرا پیار کیوں چھین لیا - صدیاں بیت گئی ہیں - اور میں وقت سے اس سنسان بیابان میں اکیلی ہی گھوم رہی ہوں - کوئی ساتھی نہیں - کوئی اپنا نہیں - کوئی پیار کرنے والا نہیں - آج میں نے صدیوں کے بعد انہیں واپس بلایا ہے - اُن کے دل میں میرا پیار جاگ اٹھا ہے - اب اُن کو مجھے دے دو میں تم سے بھیک مانگتی ہوں گورودیو! - صدیوں سے خالی ہاتھ گھومتی ہوئی اس بھکارن کو نراش نہ کرو - تم جاؤ - موہنی کو کہو - نرناتھ مر گئے ہیں میں انہیں لے کر اس مکان میں جاؤں گی - راج محل کے اس کھنڈر میں - گفا کا دروازہ بند ہو جائے گا - اور ہم دونوں اس محل کے

ہمیشہ کے لئے اکٹھے رہیں گے!"

پربھوداس کچھ بول نہیں سکے۔ چپکے سے اُٹھے۔ اور واپس چلے آئے۔۔ خیمے میں پہنچے۔ تو صبح ہو رہی تھی۔ نوکر نے سمجھا وہ باہر سے گھوم کر آئے ہیں اُن کے پاس جا کر بولا ۔" کل آپ کہہ رہے تھے آج جانا ہوگا۔ تو تیاری کر دوں؟"

پربھوداس آہستہ سے بولے ۔" جانے کا کوئی فائدہ نہیں ۔ گاڑیاں اُلٹ سکتی ہیں۔ پہاڑ گر سکتے ہیں۔ دفعتاً آگ لگ سکتی ہے۔ جانے کا کوئی فائدہ نہیں ۔"

نوکر کچھ سمجھ نہ سکا۔ اُس نے سمجھا صرف یہ کہ سادھو بابا آج نہیں جائیں گے

—— ۸ ——

اُسی دن شام کے وقت پربھوداس آنکھیں بند کئے اپنے خیمے میں لیٹے تھے کہ کسی نے اُن کے پاس آ کر کہا ۔" پربھو! میں پرنام کرتی ہوں!"

پربھوداس نے آنکھیں کھول کر اور اٹھ کر کہا ۔" اوہ ۔ موہنی! تم آ گئیں میں یہی سوچ رہا تھا۔"

موہنی نے کہا ۔" لیکن وہ کہاں ہیں؟ ۔ اُن کا حال کیا ہے؟ ۔ آپ نے تار میں لکھا تھا ۔ کہ وہ بہت سخت بیمار ہیں!"

پربھوداس آہستہ سے بولے ۔" ہاں ۔ نرناتھ کا جسم بیمار نہیں بیٹی! اس کا دل بیمار ہے! ۔ یہاں بیٹھو! ۔ وقت بہت تھوڑا ہے ۔ میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں!"

—— ۹ ——

اور جس وقت پربھوداس موہنی کو صدیوں پہلے کی ایک کہانی سنا رہے تھے ۔ اُسی وقت وہاں سے دُور ۔ کھنڈروں میں ۔ ایک ٹیلے کے اُوپر مایا کہہ رہی تھی ۔" نرناتھ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ میں نے ہمیشہ

ہمیشہ تمہارے ہی سپنے دیکھے ہیں — اتنے سُندر — اتنے سُندر کہ میں انہیں بیان نہیں کر سکتی!"

نرناتھ اُس کے لمبے لمبے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے بولے "کبھی کبھی شاعر کو اپنا سپنا ملتا ہے۔ اصلی ٹھوس صورت میں — میرے گیتوں نے بھی ایک سپنا دیکھا تھا — اور وہ سپنا تم ہو! — تمہارے بالوں میں کالی گھٹاؤں کی چمک ہے — تمہارے ہونٹوں پر تاروں کی موسیقی۔ تمہاری آنکھیں شراب کی ندیاں ہیں — اور تمہارے سانس میں دنیا بھر کے پھولوں کی خوشبو...!

مایا نے اپنے سر کو اُن کے سینے کے ساتھ لگا کر کہا "نرناتھ"

نرناتھ نے اس کے سر کو پیار سے دبا کر کہا "مایا!"

— ۱۰ —

اور اس رات مایا بے حد خوش تھی۔ اتنی خوش کہ دنیا کا کوئی قلم اُس خوشی کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ آج وہ اپنی بینا پر ایک مدھر گیت بجا رہی تھی —

اُسی وقت کسی نے اُس کے پاس آکر کہا "مایا!"

مایا نے چونک کر دیکھا — اور بولی "تم — تم کیوں آئی ہو؟"

اُس کے سامنے موہنی کھڑی تھی۔ ہاتھ جوڑے ہوئے — اُس نے آہستہ سے کہا "مایا!"

مایا نے گرج کر کہا "بولو تو سہی — تم کہتی کیا ہو؟"

موہنی نے اُسی دھیمی آواز میں کہا "تم عورت ہو — میں بھی عورت ہوں — تمہاری ہی طرح میرا بھی دل ہے — میں اُن سے پیار کرتی ہوں — اُن کے بغیر میری زندگی بے کار ہے —"

مایا نے چلّا کر کہا "زندگی کیا ہے منوہرا — میں صدیوں سے بھٹک رہی ہوں — رو رہی ہوں — مجھ پر کبھی کسی نے ترس نہیں کھایا —! آج تم ترس کی بھیک مانگتی ہو۔ مجھے کبھی کسی نے یہ بھیک نہیں دی!

موہنی ہاتھ جوڑ کر بولی — "لیلا! لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے — مجھے اگر معلوم ہوتا کہ وہ تم سے پیار کرتے ہیں تو میں ان کے نزدیک بھی نہ جاتی — لیکن اب — اب میں کیا کروں — میں تمہارے پیار کی عزت کرتی ہوں۔ بہن! میں تمہارے جذبے کو سمجھ سکتی ہوں — اور اگر — اگر تم اُنہیں سکھ سے رکھ سکتیں۔ تو میں انہیں خود ہی تمہارے ہاتھ میں سونپ دیتی — لیکن تم — تم زندہ نہیں ہو۔ تم انہیں بھی مار دینا چاہتی ہو۔ اُس تاریک کھنڈر کے اندر قید کر دینا چاہتی ہو۔ جہاں تم خود قید ہو — اسی لئے میں تم سے رحم کی بھیک مانگتی ہوں —

مایا نے آہستہ سے کہا — "تمہاری بات ٹھیک ہے موہنی! تم زندہ ہو — تم اُنہیں سکھی رکھ سکتی ہو — جاؤ بہن! ایک بار پھر میں نے اُنہیں تمہارے ہاتھ میں دیا — ایک بار پھر لا انتہا صدیوں کے لئے وقت کے سنسان بیابان میں میرا خاموش اور اکیلا سفر شروع ہو گا۔"

موہنی نے جلدی سے اُس کے پاؤں پکڑ لئے۔ لیکن مایا بولی ———

"تم اب جاؤ — آج ایک بار میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا ہے۔ آج رات نرناتھ کی حفاظت کرنا۔ بہت بھاری طوفان آئے گا!

—————(۱۱)—————

اور واقعی اُس رات اتنا زبردست طوفان آیا۔ کہ بڑی بڑی چٹانیں آپس میں ٹکرا کر چکنا چور ہو گئیں۔

پربھو داس نرناتھ کے پاس بیٹھے تھے — آہستہ سے بولے — "بیٹا! اتنا زبردست طوفان تو آج تک نہیں دیکھا۔"

نرناتھ آہستہ سے بولے — "اس طوفان میں پتہ نہیں مایا کا کیا حال ہو گا؟"

موہنی نے مسکرا کر کہا — "بابا — اُس کی چنتا مت کریئے — طوفان شروع ہونے سے بہت پہلے وہ یہاں آئی تھی — آپ اس وقت کہیں باہر گئے ہوئے تھے — وہ رات دس بجے کی گاڑی سے پشاور چلی گئی ہے — یہ دیکھیئے اس کی چٹھی

اس نے کہا تھا کہ — یہ صرف آپ کو دی جائے —!"

نرناتھ نے چِٹھی کو لے کر پڑھا — اُس میں لکھا تھا — "نرناتھ بابو! ایک بہت ضروری پیغام آیا ہے — میرے پتاجی مجھے بُلا رہے ہیں — اِس لئے میں آپ کو ملے بغیر ہی جا رہی ہوں — اگلے ہفتے میری شادی بھی ہونے والی ہے — اس لئے شاید اب میں آپ کو کبھی بھی نہ مل سکوں! — آپ کی موہنی۔"

پربھوداس، موہنی اور نرناتھ — ٹیکسلا سے واپس چلے آئے — کئی دن بیت گئے۔ ایک دن نرناتھ صبح کے وقت اُٹھے — تو موہنی اخبار پڑھ رہی تھی۔

نرناتھ نے پوچھا — "کیا خبر ہے؟"

موہنی نے آہستہ سے کہا — "اُس دن ٹیکسلا میں جو طوفان آیا تھا نا — اُس سے ایک ٹیلے کا ایک حصّہ اُڑ گیا تھا — اُس کے نیچے ایک محل کا حصّہ ملا ہے ایک کمرہ — جس میں اِدھر اُدھر کچھ تصاویر تھیں — اتنی دھندلی کہ کچھ دکھائی نہیں دیتا — اور فرش پر ایک انسانی ڈھانچہ ملا ہے — اُس کے سینے میں آج سے صدیوں پہلے کا ایک تیر ہے — محکمۂ آثارِ قدیمہ کے آفیسروں کی رائے ہے — کہ یہ ڈھانچہ کسی عورت کا ہے!"

(ختم شد)

۴

جوالاجی کا مندر

بہت دنوں کی بات ہے۔ تب ریل گاڑی نہیں تھی ـــــ موٹر نہیں تھی۔ بس نہیں تھی اور لاری نہیں تھی۔ امیر مسافروں کا نشان امارت تھا اور بیل گاڑی اور غریب زمین کو ناپتے ہوئے چلتے تھے۔ قدم بہ قدم۔ زادِ راہ کو سر پر اٹھائے اور مختصر سے بستر کو پیٹھ سے باندھے۔

ایسے ہی ایک مسافر تھے۔ بھولا ناتھ۔ زادِ راہ کی جگہ صرف بھگوان کا نام تھا۔ اور بستر کی جگہ صرف ایک پرانی چادر جو بار بار دھونے کے کارن کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ غریب کو لوگ پورے نام سے بھی نہیں بلاتے۔ اسی لئے لوگ انہیں "بھولا" کہتے تھے۔ لیکن غریب ہوتے ہوئے بھی اُن کے پاس

ایک دولت تھی جو امیروں کو بھی فریفتہ بنا لیتی تھی - یہ دولت تھی ان کی آواز ان کے گیت اور وہ "واریں" جنہیں وہ خود ہی دیوی کی تعریف میں بناتے تھے - اور خود ہی گاتے ہوئے دوسرے مسافروں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے جاتے تھے - ان گیتوں کی وجہ سے ہی کئی بار انہیں کھانا مل جاتا تھا - کئی بار کشتی کی سواری مفت مل جاتی تھی - اور کئی بار کچھ پیسے مل جاتے تھے جنہیں وہ بھکاریوں کو دے دیتے تھے - بھیک کے روپ میں ملے ان پیسوں کو بانٹتے وقت وہ کہتے - "میں بھکاری تو نہیں ہوں - میں تو صرف دیوی سے مانگتا ہوں - جوالا مَیا دینا چاہیں گی - تو خود دیں گی - ایسی ماں کے بیٹے کو دنیا بھکاری کیوں سمجھے" لیکن ان کے دل میں کیا ہوتا ہے - اسے دنیا کیسے سمجھتی - اس نے تو یہی جانا کہ بھولا بھکاری ہے - مانگتا ہے اور گاتا ہے - گاتا ہے اور مانگتا ہے - بیاس ندی پار کر کے بھولا "اچنت پورنی" پہنچے تو وہاں کے پوجاری نے کہا "بھکاری تم گاتے بہت اچھا ہو - یہیں مندر میں رہ جاؤ - یاتری تمہارے گیتوں کو پسند کرتے ہیں - میں تمہیں ہر روز کھانا دوں گا - باقی جو ملے تمہاری قسمت -"

بھولا کا دل رو اٹھا - وہ کچھ بھی بولے نہیں - مندر کی سیڑھیوں پہ بیٹھے رہے - پوجاری نے سمجھا - کام ہو گیا - مندر کی کشش میں اضافہ ہو گیا - لیکن رات کو پتہ نہیں کس وقت اٹھ کر بھولا چلے گئے - وہ بھکاری بننا نہیں چاہتے تھے - وہ بھیک مانگنا نہیں چاہتے تھے - تب کوئی انہیں بھکاری کیوں سمجھے -

پوجاری نے صبح اٹھ کر دیکھا - بھولا نہیں ہیں - اِدھر اُدھر سے پوچھا - "کیا کسی نے ایک خوبصورت سے لمبے لمبے بالوں والے نوجوان بھکاری کو دیکھا ہے؟" لیکن کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا -

پوجاری نے حیرت سے کہا "کہاں گیا وہ؟ جنگلوں میں اتنے شیر اور سانپ ہیں - وہ اکیلا کیا کرے گا؟"

یاتریوں نے ایک دوسرے سے پوچھا " وہ بھولا کہاں ہے۔ اس کے گیتوں سے سفر آسانی کے ساتھ کٹ جاتا تھا "

ادھر لوگ اس طرح پوچھ رہے تھے۔ اُدھر بھولا ۔ یاتریوں سے دور اکیلے ہی چلے جا رہے تھے۔ یاتریوں سے دور راجنت پورنی سے بھی پرے جوالا مکھی کے راستے پر۔ لیکن راستے کو چھوڑ کر۔ جنگل میں سے ہوتے ہوئے۔ پتہ نہیں کیوں وہ ان لوگوں کے قریب نہیں رہنا چاہتے تھے جو انھیں بھکاری سمجھیں۔ اتنی بڑی ماں کے بیٹے کو غریب سمجھ کر اس پر ترس کھائیں۔ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے انھوں نے کہا بھی " ماں! کیا یہ شرم کی بات نہیں۔ تو جگ کو پیدا کرنے والی جگ کی ماں۔ چاند اور سورج کی مہارانی۔ جوالا میّا۔ میں تیرا بیٹا، تیرے چرنوں کا داس۔ تیرے گیتوں کو گانے والا۔ تیرے نام کی مالا جپنے والا اور وہ لوگ سمجھتے ہیں میں بھکاری ہوں "

اور بھرے گلے سے وہ گانے لگے

تو میّا۔ میں داس تمہارا
میرا ہی ہے یہ جگ سارا
پھر کوئی کیوں کہے بھکاری

رات بھر وہ چل رہے تھے۔ پاؤں تھک گئے تھے۔ کل سے پیٹ میں اَن کا دانہ نہیں گیا۔ آنتیں بلبلا رہی تھیں۔ اس کے باوجود وہ آگے بڑھ رہے تھے گاتے ہوئے اور روتے ہوئے۔ روتے ہوئے اور گاتے ہوئے۔ جیسے کوئی بچہ ساری دنیا سے روٹھ کر اپنی ماں کی طرف دوڑا جا رہا ہو۔

پہاڑ کا ایک موڑ مڑتے ہی سامنے وہ چوٹی دکھائی دی۔ جس کی گود میں جوالا جی کا مندر ہے۔ دھیان سے انھوں نے اس کو دیکھا۔ جو کچھ سنا تھا۔ اس کے مطابق پہچانا! پھر درختوں سے اوپر اٹھے مندر کے کلش کو دیکھا اور سر جھکا دیا۔ ایسے جیسے وہ ماں کی گود میں پہنچ گئے ہوں۔ دھیمے سے بولے

ماں! میں آگیا ہوں "! اور پھر ایسے جیسے ماں اُن کے سامنے کھڑی ہوں- انھوں نے گھٹنے ٹیک دیئے- ملتھے کو زمین کے ساتھ لگادیا- دھیرے دھیرے یہ سجدہ ڈنڈوت پرنام میں بدلا جنگل میں ہی وہ گھاس، پتوں اور پتھروں پر لیٹ گئے سو گئے اور سارا دن بیت جانے پر بھی سوتے رہے- اُٹھے تو بارش ہورہی تھی بادل گرج رہے تھے- چاروں طرف گھنا گھرا اندھیرا تھا- حیرت کے ساتھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انھوں نے دیکھا نہ سامنے والا پہاڑ دکھائی دیتا تھا- نہ مندر- تڑپتی ہوئی بجلی چمکتی تو سامنے کی وادی جگمگا اٹھتی- لیکن اس کا یہ جگمگانا ہی اسے پہلے سے بھی زیادہ تاریک بنا دیتا- تبھی دھواں دھار بارش ہونے لگی- آسمان دیوانہ ہو اُٹھا- جنگل چلّا اٹھا- اور ہوا چیخ چیخ کر درختوں اور پتھروں سے ٹکرانے لگی بھولا اُٹھ کر کھڑے ہوئے- لیکن اب جائیں کہاں؟ اس گھور طوفانی رات میں ماں کے اس قدر قریب پہنچکر بھی وہ آگے کیسے بڑھیں- لیکن پھر بھی بڑھے بھوک سے کمزور ہو چکے تھے پاؤں- اندھیرے میں دکھائی نہیں دیتا کچھ بھی- تو بھی وہ آگے بڑھے- ٹٹولتے ہوئے- آج اماوس کی رات ہے- آج ہی کسی بھی طریقہ سے انھیں مندر میں پہنچنا چاہیئے- پنڈتوں نے کہا تھا- اماوس کی رات کو ماں ساکشات ہو کر درشن دیتی ہیں- دیوانہ وار وہ آگے بڑھے بارش کی بوچھاڑ چہرے پر پڑتی تھی- نوکیلے پتھر پاؤں میں زخم کر دیتے تھے تو بھی وہ آگے بڑھے "میّا میّا! جوالا دیوی!" چلّاتے ہوئے- بار بار چمکنے والی بجلی سے معلوم ہوتا تھا- مندر بہت دُور نہیں ہے- تھوڑی ہی دیر کے بعد بھولا وہاں پہنچ جائیں گے- جتنی تیزی سے ہو سکتا تھا- وہ پہاڑ سے نیچے اترے کئی بار گرے- کئی بار اُٹھے- جگہ جگہ سے خون بہنے لگا- تو بھی وہ چل رہے تھے- کہ دفعتاً ایک جگہ پھر گر پڑے- کہاں تک گرتے چلے گئے- یہ انھیں معلوم نہیں ہوا- معلوم ہوا صرف یہ کہ اب وہ اُٹھ نہیں سکیں گے- کہ اب چلتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے "ماں" ہی جب نہیں چاہتی- تو وہ آگے کیسے

بڑھیں۔ چوٹوں کی وجہ سے آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تو انھوں نے کھولنے کا جتن نہیں کیا۔ زخموں اور تھکاوٹ کی وجہ سے جسم چُور چُور ہو گیا تھا۔ ہاتھ اور پاؤں شل ہو گئے تھے۔ دھیرے سے بولے "ماں! میری ہی غلطی ہے۔ میں اپنی ہمت سے تیرے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ یہ نہیں سوچا کہ تو نہ چاہے تو میری ہمت کیا ہے" اور وہ گانے لگے۔ اسی طوفان میں اور بارش میں۔ اندھیری رات میں اور چلاتی ہوئی ہوا میں

او میّا! او رانی مائی
رہو گی کب تک دُور
میری ہمت کو نہ پرکھو
انگ انگ ہے چُور
اپنے ہاتھ اُٹھاؤ میّا
پکڑو میرا ہاتھ
یا تو کہہ دے تو نہیں میرا
یا لے چل اپنے ساتھ

بارش۔ طوفان اور ہوا سے اوپر ان کی آواز چلا اٹھی۔ آنکھیں بند کئے۔ بارش میں بھیگتے۔ رو رو کر وہ گانے لگے

یا تو کہہ دے تو نہیں میرا
یا لے چل اپنے ساتھ

روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ تو بھی وہ گاتے رہے۔ گرجتی ہوئی۔ چلاتی ہوئی آواز میں ایسے جیسے دُور اس سامنے پہاڑ والے مندر تک اپنی آواز کو پہنچانا ہی انھیں مقصود ہو۔

اسی وقت کسی نے میٹھی اور مدھر آواز میں کہا۔ "کون ہو تم؟ کیوں رو رہے ہو؟"

بھولا روتے روتے بولے "تم آگئیں؟"

جواب ملا "ہاں - میں آئی ہوں - لیکن تم کون ہو - اس اندھیرے میں اور بارش میں - اٹھو یہاں سے - میرے ساتھ آؤ بابا"

اور ایک کومل سے - چھوٹے سے ہاتھ نے بھولا کا ہاتھ پکڑ لیا - بھولا اسی طرح آنکھیں موندے بیٹھے رہے - بولے "مجھے نہیں پہچانا ماں - میں تمہارا بھولا ہوں" جس نے ہاتھ پکڑا تھا - اس نے کہا "میں ماں نہیں ہوں بھولا میں تو مایا ہوں - اٹھو - ہمارے جھونپڑے میں آؤ - یہاں تو تم مر جاؤ گے"

بھولا اس ہاتھ کو اپنی بند آنکھوں پر لگاتے ہوئے بولے "ماں ہو کر بھی جھوٹ بولتی ہو - اور پھر تم مایا تو ہو ہی - سنسار کی مایا - بھگوان کی مایا - اپنی مایا - لیکن جھونپڑی میں کیوں - تم تو محلوں والی ہو - تم تو دنیا کی مہارانی ہو - سورج اور چاند کی مالک - جھونپڑے میں نہیں ماں مجھے اپنے مندر میں لے چلو - جہاں جوالا جلتی ہے اور نہ ختم ہونے والی جوت جگمگ جگمگ کرتی رہتی ہے"

مایا نے کہا "بہت ضدی آدمی ہو تم - کہا جو میں ماں نہیں ہوں - ہاں جھونپڑے میں جانے کو میرا بھی جی نہیں کرتا - وہ لوگ مارتے بہت ہیں"

بھولا کھلکھلا کر ہنس اٹھے - بولے - یہ ایک اور جھوٹ - ماں کو مارنے کی شکتی کس میں ہے؟

مایا نے کہا "تم کیسے سمجھو گے - سرنو اس کا نام ہے - کہتا ہے میں تمہارا پتا ہوں لیکن بھیک نہیں مانگتی تو مارتا ہے - وقت بے وقت کہتا ہے - گاؤ - وقت بے وقت کہتا ہے - ناچو"

بھولا پاگلوں کی طرح ہنستے ہوئے بولے "پھر وہی فریب - تم جو سب کی ماتا ہو - تمہارا پتا کون ہو سکتا ہے - تم جو سب کو دیتی ہو - تم کس سے مانگو گی اور تم جو کروڑوں برسوں سے لگاتار گا رہی ہو - تمہارے لئے وقت اور بے وقت کیا ہے؟

مایا نے کہا - تم تو پاگل معلوم ہوتے ہو - اچھا بیٹھے رہو - روتے رہو - مجھے چھوڑ دو - میں جاتی ہوں!

بھولا نے اس کے ہاتھوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر آنکھیں موندے ہوئے کہا "ایسا نہیں کرو . . . . . ."

ماں - مجھے چھوڑ کر مت جاؤ - صرف اپنے مندر تک لے چلو - جوالاجی کے مندر تک"

مایا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "تو اٹھو - میرے ساتھ چلو - میرا ہاتھ پکڑے رہو - تم کیا اندھے ہو؟"

بھولا آنکھوں کو موندھے ہوئے ہی بولا "ہاں ماں - جب تک تم نہیں ملی تھیں - تب تک آنکھیں ہوتے ہوئے بھی میں اندھا تھا - اور اب آنکھوں کے بند رہنے پر بھی سب کچھ دیکھ رہا ہوں"

مایا نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر آگے آگے چلتے ہوئے کہا "تم سچ مچ پاگل ہو"

(۲)

ان شروع شروع میں جوالاجی کے پجاری اور یاتری انہیں پاگل ہی سمجھتے رہے - شروع شروع میں وہ انہیں "پاگل بھولا" کے نام سے ہی پکارتے رہے - اور اُن کے ساتھ آتی ہوئی لڑکی کو "مایا بہن" کے نام سے - مایا اصرار کرتی تھی - کہ وہ خانہ بدوشوں کے ہاں سے بھاگ کر آئی ہے - کیونکہ اس کا پتا شرتو اسے بہت مارتا تھا - لیکن بھولا بضد تھے - کہ وہ ماں ہے - وہ خود "جوالا مہیا" ہے چراغ کی لو کی طرح اس کا حسین جسم دکھا کر وہ کہتے "دیکھو کیا یہ ماں نہیں ہے - جاگتی ہوئی جوت" - مندر کے آنگن میں بیٹھ کر وہ گاتی اور اس کا گانا سن کر سننے والے تصویر حیرت بن جاتے - تو وہ کہتے "سنو کیا ماں کے سوائے کوئی اور بھی ایسا گیت گا سکتا ہے - اُن کی مایا میں مست آنکھ - وہ خود کہتی ہے میں مایا ہوں - مایا کا روپ دھارن کئے ہوئے ماں - جو

اپنے بیٹے کی پکار سن کر جو اندھیری رات میں اس کے پاس آ کھڑی ہوئی ہیں ہوں وہ بیٹا۔ تم سب بھی تو بیٹے ہو اس کے۔ پرنام کرو اس کو" اور سننے والے حیران ہو کر کہتے "کتنا رس ہے۔ اس کی زبان میں"۔ مایا کے گیت انہیں اچھے لگتے تھے۔ لیکن اُن سے بھی اچھے لگتے تھے۔ بھولا کے گیت۔ دھیرے دھیرے پاگل بھولا کا نام بدلا۔ لوگ اسے بھگت بھولا کہنے لگے۔ بھگت بھولا کے درشنوں کو دُور دُور سے لوگ آتے۔ مایا کو وہ ماں نہیں کہتے تھے۔ لیکن بھولا کو ماں کا بیٹا ضرور کہتے تھے۔ اور مایا ٹھیک ایسے ہی ان کی دیکھ ریکھ کرتی تھی۔ جیسے کوئی بیٹے کی کرتا ہے۔ اُن کے لئے وہ پجاریوں سے لڑتی تھی۔ یاتریوں سے لڑتی تھی۔ خود بھولا سے لڑتی تھی۔ کہتی تھی "اب سو جاؤ بھگت۔ بہت رات ہو گئی" اور لوگوں سے کہتی تھی "آپ انہیں مار ڈالیں گے۔ اتنا گا گا کر کیا نہ زندہ رہ سکیں گے۔ جائیے آپ" اور بھولا کہتے "یہ ماں کا حکم ہے۔ اور نہیں گا سکوں گا آج" لیکن صبح ہی صبح لوگ پھر آ جاتے۔ آ کر کہتے "مایا بہن۔ بھولا کو گانے کے لئے کہو نا" اور چودہ برس کی وہ حسین لڑکی۔ جس کی آواز میں ترنم تھا۔ آنکھوں میں شراب اور جسم میں چاندنی رات کی کو ملتا۔ دھیرے سے کہتی "بھگت یہ لوگ پھر آ گئے ہیں۔ آؤ گائیں۔ میں ناچوں گی۔ تم گانا" اور جھانجھروں کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر بھولا گاتے۔

"ناچ رہی ہے جوالا میّا
ناچ رہی ہے جوالا
سورج ناچے چندا ناچے
ناچے جگ متوالا
دھنیا ناچے، نردھن ناچے
ناچے یہ جگ سارا

کرنیں ناچیں، لہریں ناچیں
سنگ مست مہا کالا
ناچ رہی ہے جوالا"

لوگ حیران ہو کر دیکھتے۔ کہ مندر کے فرش سے نکلنے والی جوالائیں سچ ہی ناچ رہی ہیں۔ سچ ہی ان میں ایک نیا جیون آ گیا ہے سچ ہی وہ ایسے معلوم ہو رہی ہیں۔ جیسے اُن میں سے ہر ایک کے اندر مایا ناچ رہی ہے مایا وہ معصوم لڑکی جو بھولا کے "ماں" کہنے پر اب چونکتی نہیں۔ اور جو خود بھی کئی بار ہنسی ہنسی میں انہیں "بیٹا" کہہ دیتی ہے۔

(۳)

اس طرح دو برس بیت گئے۔ کانگڑہ میں ان دنوں راجہ رام رائے حکومت کرتے تھے۔ ادھیڑ عمر کے آدمی لیکن جذبات کی دنیا میں جوان۔ گرمیوں کی ڈھلتی دھوپ۔ لیکن بے حد تیز۔ کسی نے انہیں بتایا "مہاراج! جوالا دیوی کے مندر میں ایک ناچنے والی رہتی ہے۔ اتنی حسین کہ سارے دیش میں اس کا ثانی نہیں "

جوالا جی کا علاقہ ان کے ماتحت نہیں تھا۔ بیاس کے کنارے سے لے کر پہاڑ کے اس دھارے تک آزاد راجپوتوں کی حکومت تھی۔ نہ کبھی بیاس کے اُس پار کے راجہ لوگ انہیں جیت سکے۔ نہ کانگڑہ کے حکمران۔ جوالا جی اور راجپت پوری کے مندروں کے کارن اس علاقے کے لئے لوگوں کے دلوں میں جو شردھا تھی وہ بھی حملہ آوروں کو روکتی تھی۔ چاہنے پر بھی کبھی کسی نے اس علاقے کی آزادی چھیننے کی کوشش نہیں کی

اسی لئے رام رائے نے کہا "جوالا دیوی کے مندر میں؟ کیا وہاں سے وہ آ نہیں سکتی؟ ہم اُسے روپیہ دیں گے۔ دولت دیں گے۔ اپنے محل میں جگہ دیں گے"

اُس آدمی نے کہا۔ کوشش کروں گا مہاراج!" لیکن کوشش سپھل نہ ہوئی۔

بابا نے دانت پیس کر کہا " اپنے راجہ سے جا کر کہو۔ مجھے اس کی دولت نہیں چاہیئے۔ محل نہیں چاہیئے۔ بھولا کو چھوڑ کر میں کہیں بھی نہیں جا سکتی۔" اور بھولا کو پتہ لگا۔ تو وہ آگ بگولا ہو اُٹھے چلا کر بولے " کون ہے یہ رام رائے جو سنسار کی ماتا کو اپنے محل میں ڈالنا چاہتا ہے۔ ماں کا اتنا اپمان۔ اُسے کہو جوالا میّا سے معافی مانگے۔ نہیں تو اس کا سر کٹ جائے گا۔" لیکن رام رائے نے سنا تو زور سے ہنس کر بولے۔

" معلوم ہوتا ہے۔ وہ اس کا عاشق ہے۔ یا شاید بابا ہی اس پر مہربان ہے یہ بدمعاش فقیر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں۔ اس کا کوئی چارہ نہیں اور پھر بھی سنجیدگی سے بولے " سیتا پتی؟ بابا یہاں پر آنی ہی چاہیئے میرا دل بے چین ہو اُٹھا ہے۔ اس کے بغیر میں ایک پل بھی آرام سے نہیں رہ سکتا۔ اپنے جاسوسوں کو بھیجو۔ منّت سے آئے تو منّت سے لاؤ۔ لالچ سے آئے تو لالچ سے۔ کچھ بھی ہو۔ تو اُسے زبردستی اُٹھا لاؤ۔ اور اُدھیڑ عمر کے ایک ہی آدمی کی اس حیوانی خواہش نے پہاڑوں کی اس خاموش دنیا کو بے چین بنا دیا۔ جگہ جگہ باتیں ہونے لگیں۔ جگہ جگہ ڈاکو اور لٹیرے تیاریاں کرنے لگے تاکہ بے چینی اور بدامنی سے فائدہ اٹھا سکیں۔

بھولا اب ایک لمحہ کے لئے بھی بابا کو اکیلا نہیں چھوڑتے۔ ہاتھ میں موٹا سا ایک لٹھ لئے ہر وقت وہ اس کے ساتھ رہتے۔ ہر وقت ہر آدمی کو وہ شک کی نگاہ سے دیکھتے۔ جوالاجی کے سرداروں نے ان کے پاس آ کر کہا۔ بھولا۔ تم کو کسی طرح کی چنتا نہیں کرنا۔ ہمارے راجیہ میں ایسا نہیں ہو گا؟ رام رائے کی حیوانی خواہش پوری نہیں ہو گی۔ ہم کانگڑہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔"

بھولا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بھرے گلے سے بولے " سادھارن عورت

کے لئے میں یہ سب کچھ کیوں کرتا ہوں۔ لیکن وہ سادھارن عورت نہیں ہے وہ دیوی ہے۔ وہ ساکشات مال ہے۔"

سرداروں میں سے ایک نے کہا "سادھارن عورت ہو یا کوئی اور وہ ہمارے راجیہ میں رہتی ہے۔ اس لئے اس کی رکشا ہمارا فرض ہے۔ اپنے راجیہ کی ایک بھکارن کو بھی ہم بدمعاش رام رائے کے حوالے نہیں کر سکتے۔ ہم انتظام کر رہے ہیں۔ مندر میں ہر وقت راجیہ کے سپاہی موجود رہیں گے۔ ہر وقت وہ تمہاری اور مایا کی رکشا کریں گے۔"

بھولا نے ان رکشا کرنے والوں کو دیکھا۔ تو انہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں کیوں وہ ہر اس آدمی سے نفرت کرتے تھے۔ جو مایا کو بھکارن سمجھے۔ یا اُن کو بھکاری۔ وہ سمجھتے تھے۔ ایسا کہنا ماں باپ کا اپمان کرنا ہے۔ صرف اندھے اور احمق ہی ایسا کہہ سکتے ہیں۔ اسی لئے ایک رات جب کچھ آدمیوں نے انہیں آکر کہا "بھگت جی! ماں کہاں ہے؟ ہم اُس کے چرنوں میں اپنے پران نچھاور کرنے آئے ہیں۔ تو بھولا بے حد خوش ہوئے حقارت سے انہوں نے راجیہ کے سپاہیوں کو دیکھا۔ اور ان آدمیوں کو کہا " ہاں؟ بھائی، تم یہاں رہو۔"

بھولا انہیں جانتے نہیں تھے۔ پہچانتے نہیں تھے۔ لیکن انھوں نے جب مایا کو "ماں" کہا تو جاننے اور پہچاننے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ سپاہیوں نے کہا بھگت ان لوگوں کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ کوئی بھی نہیں جانتا۔ کہ وہ کون ہیں؟

بھولا نے فخر کے ساتھ کہا "میں جانتا ہوں۔ انہیں جوالا مکھی نے بلایا ہے۔"

دھیرے دھیرے ماں کے ان محافظوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ دھیرے دھیرے بھولا کا پیدا ہونے لگے۔ دھیرے دھیرے انہیں وشواس ہو گیا کہ اب کچھ نہیں ہوگا۔ مندر میں پھر سے ست سنگ ہونے لگا۔ پھر سے بھولا گانے لگے۔ پھر سے مایا ناچنے لگی۔ اور تبھی ایک رات محافظوں میں سے ایک نے لاٹھی کا ایک بھرپور ہاتھ مار کر بھولا کو بے ہوش کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ "آہ"

بھی کرتے۔ اُن کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ زبان بند ہو گئی۔ اور وہ لڑھک کر گر پڑے۔ راجہ کے سپاہی مندر کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ اندر کی بات انہیں معلوم نہیں ہوئی۔ ویسے ہی گانا ہوتا رہا۔ ویسے ہی جھانجھوں کی آواز سنائی دیتی رہی۔ کچھ لوگ ایک گٹھری سی لے کر باہر نکلے۔ اور جلدی سے نیچے چلے گئے۔ اسی طرح کچھ اور لوگ بھی نکلے تو آہستہ آہستہ گانے کی آواز مدھم ہونے لگی۔ جھانجھوں کی آواز ختم ہو گئی۔ مندر میں سناٹا چھا گیا۔ سپاہیوں نے سمجھا۔ کیرتن ختم ہو گیا ہے۔ وہ بھی اپنی اپنی لاٹھیوں کا سہارا لے کر اونگھنے لگے۔ اسی وقت ایک ہلکی سی آہ سنائی دی۔ درد سے کراہ کر کسی نے کہا "ماں!"۔ اور ساتھ ہی زور سے چلاہٹ ہو اٹھی۔ "ماں، کدھر ہو تم؟" یہ تھے دوڑتے ہوئے بھولا ناتھ۔ مندر کے پھاٹک پر آئے۔ چلا کر بولے "ماں۔ میا! کہاں ہو تم؟"

سپاہیوں نے چونک کر دیکھا پھاٹک میں رکھے چراغ کی مدھم سی روشنی میں بھولا کھڑے ہیں۔ سر سے خون بہہ رہا ہے۔ آنکھوں میں دیوانگی ہے ہونٹوں پر سسکیاں۔ اور اندھکار میں دیکھتے ہوئے پکار رہے ہیں "میا! میری میا! کہاں گئی ہو تم؟"

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر پوچھا "بھگت! مایا کیا اندر نہیں۔؟"

بھولا نے التجا بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ بچوں کی طرح سسکنے لگے۔ اور بولے "وہ رام رائے کے آدمی تھے۔ بھائی۔ میں بے وقوف بھولا رہا۔ لاٹھی مارتے وقت انھوں نے خود ہی بتایا۔" ہم مایا کو رام رائے کے پاس لئے جا رہے ہیں"۔ میری جب ہوش ہوتی آنکھوں کے سامنے انھوں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دئے اسے ایک چادر میں لپیٹ کر گٹھری سی بنا دیا۔ تب کیا ہوا، یہ میں نہیں جانتا اندھیرا چھا گیا۔ چاروں طرف۔ گہرا اندھیرا۔" اور تب وہ پورے زور سے

چلّا اُٹھے ـــ "ماں! بھولا کی میّا! کہاں ہو تم؟"

سپاہی نے کہا "بھولا بے چین نہ ہو۔ ایک گھنٹری ہے کہ وہ یہاں سے گئے ہیں۔ ابھی بہت دور نہیں ہوں گے۔ میں سرداروں کو خبردار کرتا ہوں۔ لیکن بھولا نے جیسے یہ سب کچھ نہیں سُنا۔ دوڑتے ہوئے وہ مندر میں واپس آئے۔ دروازے کی چوکھٹ کو پکڑ کر۔ فرش سے نکلتی جوالا کو دیکھ کر چلّا کر بولے ـــ "ماں!"

اور تبھی جیسے ٹوٹے ہوئے ستار سے آنسوؤں کا ہاہاکار جاگ اٹھے۔ وہ پاگلوں کی طرح گانے لگے۔

بھولا تو بھولا رہا

تو کیوں روٹھی میّا

بیچ ندی کے چھوڑ چلی ہو

اب جلئے کہاں یہ نیّا

اسی طرح وہ گاتے رہے گاتے رہے اور روتے رہے۔ رات بیت گئی صبح ہوئی۔ لوگ آئے۔ انھوں نے ہمدردی سے پوچھا "بھولا!"

بھولا سسکتے ہوئے بولے "پوچھتے ہو ماں کیا ہے؟ ـــ وہ دیکھو ـــ وہ دیکھو ـــ مندر کے فرش پر۔ میرے ساتھ کہو۔ میرے ساتھ گاؤ ـــ

"ناچ رہی ہے جوالا میّا

ناچ رہی ہے جوالا ـــ"

لوگوں نے گایا۔ لیکن بھولا گا نہیں سکے۔ روتے روتے گر پڑے۔ گرے ہوئے بولے ـــ "ماں! لوٹ آؤ ـــ لوٹ آؤ ـــ تمہارا بیٹا بلا رہا ہے نا۔ اِس پر ترس نہیں کھاؤ گی۔ اس کے قصور معاف نہیں کرو گی ـــ آؤ میّا۔ پاگل بھولا کی میّا! ـــ آؤ ـــ!"

کتنے ہی لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ کتنوں کی آنکھوں میں غصے سے خون اُتر آیا۔ کتنوں نے کہا "یہ اتیاچار ہے۔ راج رلنے کا خاتمہ ہونا

چاہیئے "

انہیں شاید معلوم نہیں تھا۔ جوالا جی کے سرداروں کی فوجیں سرحد پر دیوانہ وار لڑ رہی تھیں۔ تعداد کم تھی اُن کی۔ لیکن وہ اپنے دیش کی عزت کے لئے لڑ رہی تھیں ہتھیار بہت نہیں تھے ان کے پاس۔ لیکن وہ سر دھڑ کی بازی لگا رہی تھیں رام رائے نے سُنا تو چلّا کر کہا " اتنی ہمت ان کی۔ سیناپتی مجھ سے پوچھنے کی اب ضرورت نہیں۔ اپنی ساری فوجیں لے کر آگے بڑھو۔ خون کی ندّیاں بہا دو۔ تباہی مچا دو ہر طرف۔ جوالا مکھی کے سرداروں کو معلوم ہو جانے۔ کہ رام رائے کی مخالفت کرنا سستا سودا نہیں "

۴

تین دن گزر گئے۔ تین دن سے بھولا نہ تو مندر کی دہلیز سے اُٹھے ہیں نہ انھوں نے کچھ کھایا ہے۔ نہ پیا ہے۔ آج تیسرا دن ہے۔ آج پجاری بھی مندر میں نہیں آیا۔ شہر کے لوگ بھی نہیں آئے۔ سب طرف سناٹا ہے سب طرف خاموشی۔ بھولا نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ اتنا دن چڑھ آیا ہے۔ اور مندر میں آرتی شروع نہیں ہوئی۔ آج کیا ہوا؟ آج کوئی بھی کیوں نہیں آیا۔

دُور کہیں سے بار بار ایک شور کی آواز سُنائی دیتی تھی۔ بار بار ایسے معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کچھ لوگ چلّا رہے ہیں۔ لیکن کیوں؟ کیا ہو رہا ہے نیچے۔ یہ بھولا کو معلوم نہیں تھا۔

دہلیز سے سر اُٹھا کر انھوں نے اندر دیکھا۔ لیکن یہ کیا؟ فرش سے نکلنے والی جوالائیں بھی غایب ہیں۔ مندر میں تاریکی چھا رہی ہے۔ ایک بھی جوالا نہیں ایک بھی جوت نہیں۔

خوفزدہ نگاہوں سے انھوں نے دیکھا۔ باہر کی روشنی مندر کے اندر کی تاریکی کو اور بھی گھنا بنا رہی ہے۔ بہت کوشش سے وہ اُٹھے۔ مندر کے اندر گئے ان سوراخوں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے لگے۔ جہاں سے رات تک جوالا نکل رہی

گرمی تھی وہاں۔ لیکن جوالا نہیں تھی۔ تب وہیں وہ بیٹھ گئے۔ جیسے اب اٹھنے کی شکتی ختم ہو گئی ہو۔ اور دھیمی سی۔ بے ہوش سی آواز میں بولے "آخر تم سچ مچ چلی گئیں نا بیٹے سے روٹھ کر تم سنسار سے روٹھ گئیں۔ قصور میرا تھا۔ لیکن تم نے مندر کو بھی سونا کر دیا" اور تبھی جیسے ان میں ایک نئی زندگی آ گئی۔ مضبوطی سے بولے "لیکن جاؤ گی کہاں۔ میں تمہیں واپس بلاؤں گا۔ تمہیں واپس آنا ہوگا میا۔ تمہیں واپس آنا ہوگا" اور جلدی سے اٹھ کر وہ مندر کے دروازے میں آ گئے۔ اس بڑے گھڑیال کو جو صرف درگا اشٹمی کے دن بجایا جاتا تھا۔ پورے زور سے بجانے لگے۔ ٹن۔ ٹن۔ اس کی آواز سے مندر کا سناٹا گونج اٹھا۔ مندر کی دیواریں کانپ اٹھیں۔ دیواریں ہل رہی ہیں۔ زمین ہل رہی ہے۔ یہ انھوں نے نہیں دیکھا۔ صرف پاگلوں کی طرح گھڑیال کا رسہ کھینچتے رہے۔ اس کی آواز نے جیسے ان کی کمزوری ختم کر دی۔ جیسے انہیں ایک نئی طاقت دے دی۔ گرج گرج کر وہ گانے لگے۔

"جاگو۔ جاگ اٹھو ہے جوالا
پرلے کال کی آندھی بن کر
بھونچال بنو، تب ڈولی اٹھے
پاگل یہ جگ سارا۔
جاگ اٹھو ہے جوالا

انھوں نے محسوس نہیں کیا۔ لیکن زمین کانپ رہی تھی۔ بھونچال آ رہا تھا دور کہیں پہاڑ سے چٹانیں گر رہی تھیں۔ اور وہ گا رہے تھے۔ اسی طرح گھڑیال کو بجاتے ہوئے۔

"دھرتی ڈولے امبر ڈولے
ڈگمگ ہوا جگ سارا
ڈمرو دے کر شنکر ڈولے

بھن بھرون کی مالا

جاگ اُٹھو ہے جوالا—

نیچے شہر میں دھڑ دھڑ کر کے مکان گر پڑے۔ دُور پہاڑوں کی چوٹیاں جل اُٹھیں۔ پہاڑوں کا یہ دیش جوالاؤں کا دیش بن اُٹھا۔ دھوئیں سے آسمان سیاہ ہوگیا۔ آسمان کی طرف جاتے ہوئے دھوئیں سے پتھر برسنے لگے۔ لیکن بھولا کے جوش میں کمی نہیں آئی۔ گرج گرج کر وہ گاتے رہے۔

جاگ اُٹھو ہے جوالا—

سورج ٹوٹے۔ چندا ٹوٹے
تارے سے ٹکرائے تارا

اور تم پیتی پھرو لہُو
لے کھوپڑی کا پیالا

جاگ اُٹھو ہے جوالا—

پرلے مچ اُٹھی سب طرف۔ جوالا جی کے بازووں میں بڑھتی ہوئی راما رائے کی فوجیں خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹیں۔ لڑائی بند ہوگئی۔ حملہ کرنے والے بھی بھاگ رہے تھے۔ اور بچانے والے بھی۔ کون دوست ہے کون دشمن۔ یہ بھی کسی کو یاد نہیں رہا۔ سب طرف ہاہاکار مچ اُٹھی۔ سب طرف چٹانوں اور مکانوں کے نیچے دبتے ہوئے لوگ چلّا اٹھے۔ لیکن بھولا بدستور گاتے رہے۔

دُھو دُھو کر کے جلیں چتائیں
آندھی بن کر چلیں ہوائیں

مستا میری واپس آئیں
ناچے سن متوالا—

جاگ اٹھو ہے جوالا۔

اسی طرح وہ گاتے رہے۔ اسی طرح بھونچال گرجتا رہا۔ اسی طرح زمین

کانپتی رہی - پہاڑوں کی چوٹیاں آگ اگلتی رہیں - اور آسمان چٹانیں برساتا رہا
دن ختم ہو گیا - لیکن بھونچال ختم نہیں ہوا - رات ختم ہو گئی - اور بھونچال کا انت
نہیں ہوا - اور بھولا دیوانہ وار گاتے رہے -

"جاگ اٹھو ہے ـــ جوالا ــــ"

تبھی بہت زور سے زمین کے نیچے کوئی گرج اٹھا - مندر کے صحن کی دیواریں
گر پڑیں - اتنے زور سے آواز ہوئی - کہ بھولا بھی سہم گئے - مندر کے فرش کو
پھاڑ کر ایک بڑی سی جوالا جاگ اٹھی -

بھولا نے زور زور سے گھڑیال کو بجاتے ہوئے کہا " جے جوالا امبا! ـــ
جے جوالا امبا! آخر تم آئیں - اب جانا نہیں ہوگا - اب جانا نہیں ہوگا - بھولا کو اپنی
گود میں لے کر ہمیشہ کے لئے اپنا روپ بنا دینا ہوگا -"

بھونچال ختم ہو گیا تھا - اور اس عظیم گھڑیال کی آواز بھی - بھولا سر جھکائے
کھڑے تھے - ہاتھ جوڑے ہوئے کہہ رہے تھے " اب نہ جا سکو گی ماں - اب
میں تمہاری گود میں رہوں گا " لیکن اس سے پہلے کہ وہ مندر کے فرش کو پھاڑ
کر نکلتی ہوئی اس مہان جوالا میں کودتے - کسی نے پکار کر کہا -

" بھولا ـــ "

بھولا نے چونک کر دیکھا - مندر کے ٹوٹے ہوئے پھاٹک سے آکر ایک
آدمی اس صحن میں آ کھڑا ہوا ہے - جس میں گری ہوئی دیواریں پڑی ہیں - دونوں
ہاتھوں سے اس نے ایک لڑکی کو اٹھا رکھا ہے - بھولا کو اپنی طرف دیکھ کر اس
نے کہا " بھولا! یہ بالا ہے!

بھولا جلدی سے اٹھے - دوڑتے ہوئے بولے " کون ماں؟ ماں آ گئیں!"
اس آدمی نے کہا " ہاں - بھولا اس نے کہا تھا - میں بھولا کے بغیر زندہ
نہیں رہ سکتی - اس نے کہا تھا " نہیں کہنا مجھے کو تیاگ دیں - میں ہمیشہ ان کے
ساتھ ہوں - ہمیشہ ان کے پاس ہوں گی

بھولا بابا کی طرف دیکھتے ہوئے بولے "لیکن ماں خود کیوں نہیں بولتیں۔؟"
آنے والے نے کہا "بولیگی بھولا۔ مجھے اس نے کہا تھا۔ میں بھولا کی زبان سے بولوں گی۔ وہ گائیں گے تو میں ناچوں گی۔ اور تم سننا۔ تم دیکھنا۔"
بھولا نے حیرت سے اس آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم۔ تم کون ہو؟"
آنے والے کا گلا بھر رہا تھا۔ آواز رک رہی تھی۔ بہت مشکل سے اُس نے کہا ... "میں بابا کا پتا ہوں۔ کانگڑہ کا رام رائے۔"
بھولا چلا کر بولے "رام رائے!"
رام رائے سر جھکا کر بولے "ہاں۔ بھولا۔ بابا۔ میری بیٹی ہے۔ کل ہی مجھے پتہ لگا۔ محل میں میں اسے دیکھنے گیا۔ تو اس کے ہاتھ پر ہمارا خاندانی نشان تھا آج سے چودہ برس پہلے کسی نے اسکو چرا لیا۔ بابا نے بتایا اسکا نام سرنو تھا۔ وہ میری بیٹی سے بھیک منگوا تا رہا۔"
بھولا غصے سے جلتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر بولے "اور تم خود۔"
رام رائے بابا کی لاش کو نیچے رکھتے ہوئے بولے "اُس نے کہا تھا بھولا مجھے بلا رہے ہیں۔ میں واپس جاؤں گی۔ اور تبھی وہ محل سے کود پڑی۔ میں دوڑ کر نیچے گیا۔ تو وہ آخری سانس لے رہی تھی۔ مرتی ہوئی آواز میں بولی۔ بھولا کو کہنا۔ میرے پتاجی کو معاف کر دیں اور مجھے مندر کی جوالا میں دیکھیں۔ میں وہیں انہیں ملوں گی۔ ہر روز اور ہر وقت۔ جب کبھی وہ گائیں گے میں ناچوں گی۔"
بھولا تھک کر بیٹھ گئے۔ بولے "رام رائے۔ اس لاش کو لیجا کر جلا دو۔ میں ماں کا سندیش سن لیا ہے۔ میں رونگا نہیں۔ صرف گاتا رہونگا۔ تب تک جبتک ماں خود ہی اپنے پاس نہ بلا لیں۔"
اسکے بعد جو کچھ ہوا۔ اس کا تعلق افسانے سے نہیں ہے تاریخ سے ہے کہ کانگڑہ کے رام رائے نے جوالا جی کا مندر از سر نو بنوا دیا۔ زیادہ خوبصورت اور زیادہ وسیع۔ اور جبتک بھولا نام کا نام گویا وہاں موجود رہا تب تک وہ ہر دوسرے تیسرے دن انکا گیت سننے آتے رہے وہ گاتا تھا تو جوالا ناچتی تھی۔ جوالا ناچتی تھی۔ تو رام رائے روتے تھے۔ آج بھولا نہیں ہے۔ رام رائے نہیں ہیں۔ لیکن جوالا دیوی کے مندر کی جوالائیں لگاتار ناچتی ہیں۔ لگاتار۔

(رنبیر)

۵

عالمِ وارفتگی

ارکسٹرا ایک مدہوش کن نغمہ الاپ رہا تھا بے اختیار ہو کر میں نے آنکھیں موند لیں۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ لانس کا رخسار میرے رخسار سے پیوست ہے اور وجد آفریں سنہری راگ ایک ہلکی مگر گرم لہر کی مانند میری رگ و پے میں سرایت کر رہا ہے۔ میرے ارد گرد دوسرے جوڑے رقص میں محو تھے۔ ان کی موجودگی کا احساس میرے دل و دماغ سے یک دم دُور ہو گیا۔ اب صرف میں اور لانس ہی رہ گئے۔ جس کے بازو مجھے اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھے۔ میں اب طرب انگیز راگ کو باہر نہیں۔ بلکہ اپنے اندر تمام جسم میں دوڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ گویا اب یہ راگ میرے جسم کا نہ صرف ایک جزو تھا۔ بلکہ میں اور راگ پوری طرح

یک جان ہو چکے تھے۔ لانس کے شباب انگیز ہونٹ میرے رخساروں پر متحرک تھے۔ اس نے میرے کان میں کہا:۔

"جنگ ختم ہو گئی ہے۔ میں اب فوجی وردی پہنے ہوئے نہیں۔ بلکہ شہری لباس میں ملبوس ہوں۔ ہم دونوں اس وقت دریائے ڈینوب کی سطح پر جہاز کی خوبصورت رقص گاہ میں ہیں۔ جس پر چودھویں کے چاند کی چاندنی چھٹکی ہوئی ہے۔ اس پر فضا ماحول میں تمہارا سبز لباس غضب ڈھا رہا ہے۔ تمہارے سنہری بال چاند کی کرنوں کو شرما رہے ہیں۔ اور تمہارا خوبصورت چہرہ جوانی کے خواب کی طرح پیارا ہے "

مردانہ حسن کا سمندر پوری طرح چڑھاؤ پر تھا۔ جس کے جوش نے میری تمام قوت سلب کر لی۔ اور جس کی تہ میں میرا وہ تمام علم ڈوب گیا۔ جس کے بل بوتے پر آج تک میں نے کسی کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے تھے ہم دونوں کے سانس کے خوشگوار سکون سے میرا دل ذب کر رہ گیا۔ اور میں نے اپنے آپ کو لانس کے بازوؤں میں بے بس پایا۔

یکایک نغمہ کی لے نے دوسرا رنگ اختیار کر لیا۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ میری نبضیں تیز ہو گئی ہیں۔ اور طرب انگیز راگ نے مجھے مدہوشی سے بیدار کر دیا ہے۔ اب دریائے ڈینوب نظروں سے غائب تھا۔ اور بحیرہ کریبین کا گرم اور نیلا پانی حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔

لانس نے میرے رخسار سے ایک لمحہ کے لئے ہونٹ اٹھا کر کہا "کوئینی ہم اس وقت سمندر کی سطح پر ایک خلیج کے نزدیک رقص کر رہے ہیں۔ رات کو کھلنے والے پھولوں کی معطر خوشبو اور خلیج کی سطح سے ہو کر آنے والی سرد سرد ہوا کے جھونکے کیا ہی لطف دے رہے ہیں۔"

ارکسٹرا اب بھی مدہوش کن نغمہ الاپ رہا تھا۔ جو میرے خون کے ذرے ذرے میں سرایت کر رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ یہ نغمہ صرف میرے

اور اس کے لئے ہی وقف ہو جائے۔ اور دوسروں کو اس سے کوئی حصہ نہ ملے۔ میں نے سر اٹھایا۔ اور دیکھا کہ لانس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ایک خاص روشنی پیدا ہو چکی ہے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا۔ کہ وہ قدرے کانپ رہا ہے۔

"کونٹی!" اس نے چپکے سے کہا: "کونٹی تم۔ تم ہو؟"

اب پوری طرح میرے ہوش و حواس بجا ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے پوری قوت سے علیحدہ کیا۔ لیکن مجھے احساس ہوا کہ میں ایک زبردست طوفان کا مقابلہ کر رہی ہوں۔ جس کی لہریں پر اسرار طور پر مجھے اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے بڑھ رہی ہیں۔

"لانس!" میں نے ہلکے سے کہا: "یہاں گرمی ہے۔ آؤ باہر صاف ہوا میں چل کر سانس لیں۔"

ایک لمحہ تک تو اُس نے جھجک محسوس کی۔ پھر یکایک وہ مسکرایا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں محبت کی بھڑکتی ہوئی آگ ہلکی ہو کر اُس کی جگہ دوستی کا نور لے رہا ہے۔ جب ہم لمبے لمبے ڈگ بھرتے کلب کے میدان میں پہنچے۔ تو میں نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا۔ لیکن آرام کے ساتھ ساتھ مجھے کچھ مایوسی کا احساس بھی ہوا۔ محبت کے جوش کا لطف محسوس کر کے میں ٹھٹک کر رہ گئی۔ میرے قدموں نے آگے چلنے سے جواب دے دیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں لانس کی محبت کی زنجیروں میں جکڑی گئی ہوں۔ اس وقت مجھے حد سے زیادہ تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ گویا میں کوئی بہت ہی سخت کام کرتی رہی ہوں۔ یہ اگست کی ایک گرم شام تھی۔ اور موسیقی نے مجھے ایک شرابی کی طرح بے بس کر رکھا تھا۔

یکایک مجھے خیال آیا۔ کہ لانس تو کسی دوسری ہستی کی امانت ہے

اور شیطانی پھندے میں پھنس کر مجھے حقیقت کے اعتراف سے پس و پیش نہیں کرنا چاہئے۔ میں نے اپنے دل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: کوئی اور لیس لانس تو مارسن کی ملکیت ہے۔ اگر تجھے موسم گرما کی اس شام میں رومان انگیز موسیقی سے لطف اندوز ہی ہونا ہے۔ تو تجھے کوئی اور ساتھی ڈھونڈھنا چاہیئے لانس کے ہمراہ رنگ رلیاں منانا ہرگز جائز نہیں۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایئر فورس کی وردی میں غیر معمولی طور پر خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس کا حسین چہرہ اور جاذب توجہ نیلی آنکھیں ایک مقناطیسی قوت کی مالک تھیں جو ہر نوجوان لڑکی کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے کافی تھیں۔

"اچھا کوئی!" اس نے ایک پرلطف لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ "تمہیں میرے ان جذبات کی پرواہ نہیں۔ جو موسیقی اور رقص نے پیدا کر دیئے ہیں"۔ میں اب غیر معمولی طور پر مسرت کا احساس کر رہی تھی۔ اور میرے خیالات اور عقل لانس کے جوش کے سمندر میں غرق ہو گئے۔ میں نے آہستہ سے کہا: "لانس کیا تم نے وائینا اور رگیو یا جیسے شہر دیکھے ہیں؟"

اس نے سر ہلا کر جواب دیا: "ہاں! جنگ سے پہلے جب میں جہازوں پر کام کیا کرتا تھا۔ میری خواہش ہے۔ کہ میں یہ خوبصورت مقامات تمہیں بھی دکھاؤں اچھا! جب حالات پوری طرح اعتدال پر آ جائیں گے۔ تو ہم دونوں ان شہروں کی سیر سے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔ آج تمہارے ہمراہ موسیقی اور رقص کا لطف اٹھاتے ہوئے میں نے اپنے تمام احساسات ذمہ داری کو فراموش کر دیا تھا۔"

لانس نے میرے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور وہ مسکرا کر میرے چہرے کو محبت آمیز نظروں سے تاڑ رہا تھا۔ اُس نے آہستہ سے کہا: "کیا تم مجھے نہیں چاہتیں؟" اور پھر اپنا سر میرے سر پر جھکا دیا۔ میرے ضمیر نے فیصلہ کن

انداز میں فی الفور کہا: "نہیں - ہرگز نہیں" لیکن میری قوت سلب ہو چکی تھی اور میں اپنا جسم اس کی گرفت سے ہرگز نہیں چھڑا سکتی تھی۔ میں نے کچھ کہنے کے لئے جونہی اپنے ہونٹوں کو حرکت دینا چاہی مگر میں نے محسوس کیا کہ خوشگوار فضا کے اندر موسیقی کے سیال دریا میں میری قوت گویائی بھی غرق ہو چکی تھی۔ سحر آلود نغمہ میرے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔ اور میں اپنے دل کی دھڑکن کو متحرک نغمہ محسوس کر رہی تھی۔

میری حالت کو دیکھ کر لانس نے میرے کان میں کہا! "یہ بات ہے؟" ایک لمحہ کے لئے میں بھول گئی۔ کہ مجھے کیا کہنا تھا۔ اور جو کچھ میرے دل میں آ رہا تھا۔ اسے ادا کرنے میں مجھے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے کانپتے ہوئے کہا: "لانس۔ اب وقت ہو گیا۔ مجھے گھر جانا چاہیئے" میری آواز میں ایک تحکمانہ انداز تھا۔

پیشتر اس کے کہ وہ مجھے میرے گھر کے دروازہ پر الوداع کہکر رخصت ہو۔ اس نے مسکرا کر کہا: "تم اپنے دل سے مصروفِ جنگ ہو کونی! میں نہیں جانتا کیوں۔ ہم اگر زندگی کی ذمہ داریوں سے کبھی کبھی آزاد ہو جایا کریں تو عیش و عشرت کا سچا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ البتہ شرط یہ ہے۔ کہ تم اپنے آپ سے لڑائی کرنا ترک کر دو۔ یہ کہ کر لانس چلا گیا۔

میں تیزی سے زینہ کو طے کر کے اپنے کمرہ میں پہنچی۔ اور بجلی کا بٹن دبا کر بتی روشن کی۔ اور اپنی سنگار میز کے قریب کھڑی ہو کر آئینہ میں دیکھنے لگی۔ میں نے اس میں جو لڑکی دیکھی۔ میں نے اُسے اپنے سے اجنبی خیال کیا۔

"کونی مورلیس!" میں نے ذرا استعجاب سے کہا: "تم کن خیالات میں گرفتار رہی ہو؟ تم نے اسے کیوں اپنے رخسار کے بوسے لینے دیئے۔ اور تم نے کیوں تمنا کی۔ کہ وہ تمہیں بوسے دیتا رہے؟"

آئینہ میں میرے بال اب بھی چاند کی سنہری کرنیں دکھائی دے رہے

تھے۔ اور میرا چہرہ نوجوانی کے خواب کی طرح پیارا دکھائی پڑ رہا تھا۔ آئینہ میں میری طرف جو لڑکی گھور گھور کر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں مجھے غیر معمولی کشش نظر آ رہی تھی۔

میں نے اپنے دل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کونٹی! میں تم سے شرمندہ ہوں۔ اور مارسن سے تم نادم ہو گی۔ اس کے علاوہ مارسن کے والدین اور تمہارے اپنے ماں باپ تم سے غصہ ہوں گے۔ اور اگر لانس کو تمام حقیقت کا پتہ چل جائے تو وہ بھی تم سے شرمندہ ہو گا۔"

مارسن اور میں اکٹھے ہی پل کر جوان ہوئی تھیں۔ ابھی ہماری عمریں صرف دو دو سال تھیں۔ کہ ہم اکٹھے ہی کھیلنے لگ گئی تھیں۔ اور کچھ بڑے ہو کر ایک ساتھ ہی سکول جانے لگی تھیں۔ اس کے علاوہ ہر برے بھلے موقعے پر ہم ایک دوسرے کا غم اور خوشی بٹایا کرتی تھیں۔ ہم دونوں ہی کی محبت کا یہ حال نہ تھا۔ بلکہ ہر اچھے اور برے وقت پر ہمارے خاندان بھی ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مارسن کے والد مسٹر ہاویل میرے والد کے ہمراہ گالف اور گیند کھیلا کرتے تھے۔ اور میری ماں اور مسز ہاویل تمام موقعوں پر اکٹھی کام کرتی رہتی تھیں اور سیر و تفریح کے لئے وہ ایک دوسرے کی بچت کے روپے سے امداد کرتی رہتی تھیں۔ اب دونوں سہیلیاں اکٹھی اسی ہسپتال میں جزوی کام کیا کرتی ہیں جس میں انھوں نے ایک دوسرے کی ہم جماعت کی حیثیت سے شادی سے پیشتر نرسنگ کی ٹریننگ لی تھی۔ مارسن کے والدین کو مجھ سے اور میرے ماں باپ کو مارسن سے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت تھی۔ اور اگر میں اور جل ایک دوسرے کے واقف نہ ہوتے۔ تو بلا شبہ ہم اپنی اپنی حالت کے متعلق ایک دوسرے سے حسد کرنے لگ جاتے۔

سن شعور سے اٹھارہ انیس سال تک عمر کے دوران میں ہم دونوں باہم محبت کے جال میں گرفتار ہو چکی تھیں۔ لیکن چونکہ ہم نے ایک سمجھوتہ کر

رکھا تھا۔ اس لئے ہم محبت کے بارے میں کبھی ایک دوسرے سے تنازعہ نہیں کرتی تھیں۔ ہمارا یہ سمجھوتہ بارہ سال کی عمر ہی میں ہو گیا تھا۔ اور تب سے ہم ایک ہی لڑکے کی محبت میں گرفتار تھیں۔ جس کی عمر اس وقت چودہ سال تھی۔ ہمارا معاہدہ یہ تھا۔ کہ اگر ہم میں سے کسی ایک کو کوئی دوسرا لڑکا مل جائے۔ تو وہ ہرگونہ محبت کے دائرہ سے بلا جھجک قدم باہر رکھ سکے گی۔

اب حقیقت یہ تھی۔ کہ لانس دراصل مارسن کی ملکیت تھا۔ وہ ۲۱ سالہ نوجوان تھا۔ اور ہم یعنی میں اور مارسن پہلے سے بڑھ کر محبت کے دائرے میں ایک دوسرے سے نزدیک ہو چکے تھے۔ مجھے اب وہ رقص گاہ یاد آتی۔ جہاں میری ملاقات رقص کے سلسلے میں پہلی بار لانس سے ہوئی تھی۔ لیکن مکائل ٹرینیٹ مجھے رقص کے لئے اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ میں اس واقعہ سے چند ہی ہفتے پہلے اس سے ملی تھی۔ اور اس نے ابھی تک مارسن کو نہ دیکھا تھا

رقص ہو رہا تھا۔ کہ بال روم میں لانس اور مارسن اکٹھے مجھ سے ملے۔ اور جب میں اور مارسن ڈریسنگ روم میں کپڑے بدلنے کے لئے گئے تو ہم نے اپنے اپنے ساتھی کے متعلق ایک دوسرے سے مزاحیہ جملے چست کئے۔

مارسن نے کہا۔ "مجھے اپنے مائک ٹرینیٹ کا اتہ پتہ تو دو"

میں نے ہنس کر کہا۔ "اگر تم اُسے مائک کہہ کر بلاؤ۔ تو وہ ہرگز پسند نہ کرے۔ وہ اپنا پورا نام پسند کرتا ہے"

مارسن اپنے گھونگریالے بالوں میں انگلیاں پھراتے ہوئے بولی۔ "تم اسے مائک کے نام پر بولنا سکھاؤ۔ میں ان خوشامدی مردوں کو اچھی طرح جانتی ہوں"

میں نے کہا۔ "وہ بالکل خوشامدی نہیں ہے" حالانکہ مجھے پتہ تھا۔ کہ وہ کسی حد تک خوشامد پسند ہے۔ بلاشبہ وہ ایک خاموش انسان تھا۔ اور محبت کے معاملہ میں سنجیدہ۔ وہ تھوڑا کما کر خوش ہو جاتا تھا۔ اس نے

کئی بار خطرناک موقعوں پر مجھے بچایا تھا۔ میں اسے اپنا سمجھنے لگی تھی۔
ایک دفعہ بستی کے تمام نوجوان کام پر بلائے گئے۔ اور وہ باہر بھیج دیئے گئے
میں اپنے دوستوں سے محروم ہوگئی۔ لیکن اس تنہائی میں مائیکل نے ہفتوں
تک میری زندگی کو خوشگوار بنائے رکھا۔
میں اپنے خیالات سے چونکی۔ میں نے مارسن کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔
"کہ مائیکل خطرناک طور پر خوبصورت ہے"
مارسن نے دانشمندانہ میری طرف دیکھا اور بولی:۔ "یہ بات ہے۔ میں
اسے فریب سمجھتی ہوں۔ میں اس کی خوبصورتی اور رومانیت کے لئے شرط
لگانے کو تیار ہوں"
مارسن نے سر ہلا کر میرے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا:۔ "کیا تم خوش قسمت
نہیں ہو؟"
پھر اس نے آتش حسد سے جل کر کہا:۔ "تم اس سے بھی خوبصورت مرد پا سکتی
ہو"
میں نے ہنستے ہوئے کہا:۔ "کہ تمہارا لانس میکلین ابھی مکمل نوجوان دکھائی
نہیں پڑتا"
اس کی آنکھیں چمک اٹھیں وہ بولی:۔ "اوہ کوئی! وہ ایک خواب ہے
وہ دنیا بھر میں سفر کرتا رہا ہے۔ وہ غیر ممالک کے اہم مقامات سے واقف
ہے۔ حکومت اسے کوئی اہم عہدہ پیش کرنے والی ہے۔ وہ رقص کرنے میں
اپنی مثال آپ ہے" تین ہفتے بعد ہماری فیکٹری کے اکثر ملازم دوسری برانچ میں
تبدیل کر دیئے گئے۔ اور مارسن اور مائیکل کو اس سلسلے میں وہاں جانا پڑتا۔
اب میں اکیلی رہ گئی تھی۔ مارسن ہماری فیکٹری میں شاپ فورمین تھا۔
ایک بے کیف شام کو اچانک لفٹننٹ لانس میکلین میرے پاس آئے
اور مجھے اپنے ہمراہ رقص گاہ میں چلنے کی دعوت دی۔ میرے نزدیک اس

میں کوئی ہرج نہ تھا۔ کیونکہ میں اور مارسن ایک دوسرے سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ اگر مارسن بھی موجود ہوتی۔ تو وہ اس پر اعتراض نہ کرتی۔ اچانک میرے دل میں آیا۔ کہ انکار کر دوں۔ پھر میں نے سوچا۔ کہ غالباً لانس بھی مارسن کے بغیر تنہا رہ گیا ہے۔ میرے دل نے کہا۔ کہ تمہیں کیا حق پہنچتا ہے۔ کہ مارسن کا دل دکھاؤ۔ آخر میں نے انکار کر ہی دیا۔ تین دن گذر گئے۔ میں نے بار بار محسوس کیا۔ کہ میرے انکار سے لانس کی دل شکنی ہوئی ہے۔ تیسرے روز اس نے مجھے ٹیلیفون کیا۔ اور کہا "کونٹی! کیا تم میرے ساتھ گیند کھیلنا پسند کرو گی؟" میں ہنس پڑی۔ میں نے خیال کیا۔ کہ گیند کھیلنے میں کوئی بات رومانی نہیں ہو سکتی۔ میں نے جواب میں رضامندی کر دیا۔ اور اُسے اپنے گھر آنے کی دعوت دیدی۔

لانس میرے ماں باپ سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ میں نے جب اس کا تعارف اپنے والد سے کرایا۔ تو انھوں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "گزشتہ شب مسٹر ہاویل نے مجھ سے آپ کا ذکر کیا تھا۔"

لانس نے کہا "جناب میری مسٹر اور مسز ہاویل سے ملاقات ہے۔"

اس کے بعد والد نے ہنستے ہوئے کہا "کیا آپ گیند کا کھیل کھیلیں گے" بلاشبہ یہ کزنی کے لئے اچھا ہوگا۔ میں بھی مسٹر ہاویل کے ساتھ یہ کھیل کھیلا کرتا ہوں۔ اگرچہ میں ماہر کھلاڑی نہیں۔ تاہم مسٹر ہاویل اور میں نے دونوں لڑکیوں کو یہ کھیل سکھایا ہے۔ لانس نے صورتِ سوال بن کر میری طرف دیکھا اور کہا "تمہارے کوئی بہن بھی ہے۔ اب تک اس کو مجھ سے چھپائے رکھنے کے کیا معنی؟" ہم سب ہنس پڑے۔ میں نے کہا۔ والد صاحب کی مُراد مارسن اور مجھ سے ہے۔ ہم عملی طور پر بہنیں ہی ہیں۔ اس واقعہ کے بعد لانس کے دل سے جھجک دُور ہو گئی۔ اور میں سوچنے لگی۔ کہ میں لانس سے مل کر کسی جرم کی مرتکب نہیں ہو رہی۔

اگلے دن گیند کے کھیل میں لانس نے خوب اپنے کمال دکھلائے۔ اور میری بار بار ہار کے باوجود اُس نے میری تعریف کے پُل باندھ دیئے۔ اپنی تعریف سن کر مجھے بے پایاں خوشی ہوئی۔ اس نے تعریف کرتے ہوئے مجھے ماہر کھلاڑیوں کے برابر قرار دیا۔ میں نے کہا۔ آپ اپنی دوست لڑکیاں کس قسم کی چاہتے ہیں اس نے جواب دیا کہ ایسی لڑکیاں جو کھیل میں بے باک ہوں اور جو کچھ ان کے دل میں ہو۔ وہ شرم محسوس کئے بغیر ظاہر کریں۔ پھر اُس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا "کیا آپ لڑکیوں کی اور واضح تعریف سننا چاہتی ہیں۔ تو سنو۔ میں ایسی لڑکی پسند کرتا ہوں جو چار یا پانچ فٹ لمبی۔ خوشنما بالوں والی ہو۔۔ اور جس کی نیلی آنکھیں ستاروں کے مانند چمکتی ہوں اور جس کی پلکیں گھنی گھنی ہوں"۔

میں نے سرد مہری سے کہا۔ اب ہمیں گھر چلنا چاہیئے۔۔ اور میں چل پڑی۔ وہ دوڑ کر میرے آگے دو زانو ہو گیا۔ اور گڑ گڑا کر کہنے لگا "کونی! مجھ سے ناراض نہ ہو۔ میں ذرا چھیڑنا پسند کرتا تھا"۔

اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگے۔ میں نے ہاتھ چھڑانا بھی چاہا۔ مگر اس کی مضبوط گرفت سے نجات پانا میرے لئے ناممکن تھا میرا غصّہ دور ہو چکا تھا اور میں قدرے شرمسار ہو رہی تھی۔

"کیا میں آپ سے آئندہ سنیچروار کو شرف ملاقات حاصل کر سکتا ہوں؟ اس نے کہا "ہم اکٹھے تیریں گے۔ دیکھو انکار نہ کرنا۔ ورنہ میں سمجھوں گا کہ ابھی تک آپ مجھ سے ناراض ہیں"۔

ہم سنیچروار کو تالاب میں تیرنے گئے۔ لانس کا جسم وردی کے بغیر کتنا زیادہ شاندار دکھائی پڑتا تھا۔ اس کے مضبوط عضلات کتنے خوبصورت اور جاذب نظر تھے۔ اس کے بعد ہم نے آفتابی غسل کیا۔ اس وقت لانس نے اپنے جنگ سے پہلے کے متعدد کارنامے سنائے۔ میں لانس کے غیر معمولی مردانہ حسن سے مرعوب ہو رہی تھی۔ مجھے اس وقت مارسن کی وہ باتیں یاد ہیں۔ جب وہ کہا کرتی تھی

کہ تم بہت چلبلی لڑکی ہو۔ اور غیر ذمہ داری سے کام کرتی ہو۔ تاہم تم خوش قسمت ہو کسی روز تم کسی بانکے سجیلے سے عیش اڑانے لگو گی اور میں کسی پادری سے شادی کروں گی گی۔"

لالس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا" کہ کیا دنیا ترک کے قابل ہے۔ نہ جانے لوگ ایسا کیوں کہتے ہیں"۔ میں نے جواب دیا۔ کہ نہیں دنیا بہت رنگین ہے۔ اور جنگ کے موجودہ دور میں بھی اس کی رنگینیوں میں کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوئی اپنا اپنا نظریہ اور پسند ہے"۔ لالس نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "کہ کیا ہم یک جان دو قالب نہیں ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں۔ کہ آپ بھی ضرور ایسا ہی سمجھتی ہیں۔ میں نے چلا کر "نہیں" کہا۔ اور بولی" لالس ایسے وقت نہ بنو۔ آؤ چلیں دیر ہو رہی ہے"۔

وہ مایوسانہ انداز میں اٹھتے ہوئے بڑبڑایا: "تم ابھی تک اپنے آپ سے مصروف جنگ ہو"۔ مگر میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ گھر آکر میں نے "یک جان دو قالب" کے الفاظ پر بار بار غور کیا۔ آخر میں نے فیصلہ کر لیا۔ کہ میرا لالس کے ساتھ سیر سپاٹا درست نہیں ہے۔ وہ دوسری ہستی کی امانت ہے۔ جس پر مجھے کوئی حق حاصل نہیں۔ میں ایک روز پھر لالس سے علیحدگی میں ملوں گی اور اسے آگاہ کر دوں گی۔ کہ ہم دونو کا اس طرح بار بار ملنا ہرگز درست نہیں ہے۔

ایک ہفتے تک مجھے لالس کی طرف سے ٹیلیفون پر کوئی پیغام موصول نہ ہوا۔ میں نے سمجھا۔ کہ جس جگہ وہ بحیثیت انسٹرکٹر مامور ہے۔ وہاں اسے فرصت نہیں ہے۔ اسی اثناء میں مجھے مارسن کا خط ملا۔ لکھا تھا:۔

"ہم تمام یہاں بہت مصروف ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ آیا مجھے یہاں آنا چاہیے تھا یا نہیں۔ میں سمجھتی ہوں۔ کہ تم وہاں مائک ٹرینیٹ کے ہمراہ ہر روز تمام کو لطف اندوز ہوتی ہو گی"۔

یہ خط پڑھ کر میری خفگی تیز ہو گئی۔ میں نے سمجھا۔ کہ مارسن نے یہ خط طنزیہ

انداز میں لکھا ہے۔ غالباً اسے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ لانس اور میں اکٹھے سیر سپاٹا کیا کرتے ہیں۔ ضرور میرے کسی دوست نے اس سے ذکر کیا ہوگا۔ میرے سامنے عالم خیال میں ما بس آگئی۔ اس کی آنکھوں سے غصہ ٹپک رہا تھا۔ اور وہ مجھ سے میری غلط روش کے متعلق دریافت کر رہی تھی۔

شکروار کی رات کو لانس مجھ سے ٹیلیفون پر ہمکلام ہوا۔ اس نے مجھے دعوت دی۔ کہ میں اگلے روز یعنی سینچروار کو بعد دوپہر اس کے ہمراہ رقص گاہ میں چلوں میں اس کی دعوت رد نہ کر سکی۔ جب میں رقص کے لئے تیاری کر رہی تھی۔ تو میں نے آئینہ میں دیکھا۔ کہ میں کچھ زرد رو اور دبلی ہو گئی تھی۔ لیکن میری آنکھیں پہلے سے بڑی تھیں۔ میں نے خاص توجہ سے سنگار کیا۔ جب ہم دونوں رقص کر رہے تھے۔ تو لانس نے مجھے بھینچتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ میری ٹریننگ کا دور ختم ہو گیا ہے۔ اور مجھے توقع ہے۔ کہ آئندہ ہفتہ میں کسی عہدہ پر مامور کر دیا جاؤں گا۔ یہ سن کر میرا دل ڈوب گیا۔ اور میرے چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس نے کہا۔ کیا تم دل سے نہیں چاہتی تھیں۔ کہ میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری خواہش یہی تھی۔ میں نے کانپتے ہوئے کہا۔ "لانس تم ایسا کیوں کہتے ہو۔ ایسا نہ کہو" رقص کا کمرہ مجھے گھومتا ہوا نظر آنے لگا۔ میں نے کمزور آواز سے کہا: "لانس مجھے گھر لے چلو۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے"

راستہ میں لانس مجھ سے ایک لفظ بھی نہ بولا۔ یہاں تک کہ میں اپنے گھر کے بڑے دروازے تک جا پہنچی۔ دروازے کے زینے پر کھڑے ہو کر میں نے لانس کو مخاطب کرنا چاہا۔ مگر میری قوتِ گویائی سلب ہو چکی تھی۔ میں بے چارگی کے عالم میں اس کو تک رہی تھی۔ اس نے کہا: "کونی۔ میرے پاس آؤ"۔ جب میں اس کے پاس گئی۔ تو اس نے اپنے دونو بازو میرے گلے میں ڈال دیئے۔ اور کہا۔ "مجھے سچ سچ بتاؤ۔ کیا میں آپ کے پاس دوبارہ آؤں۔ کیا آپ جنگ کے بعد مجھے اپنے پاس دوبارہ دیکھنا چاہتی ہیں" میں نے آہستہ سے کہا: "آپ میری

ملکینز نہیں۔ آپ تو مارسن کے ہو چکے ہیں" اس نے سر ہلا کر کہا: "مجھے مارسن سے ہرگز محبت نہیں۔ میں تو صرف تمہیں چاہتا ہوں۔

لانس کے یہ جملے سن کر میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میں نے کہا: "نہیں۔ لانس ہرگز نہیں" لانس نے مجھے بھینچ کر گلے سے لگا لیا۔ اور کہنے لگا: "کونٹی۔ آپ نے نہیں نہیں کی رٹ کیوں لگا رکھی ہے۔ جان و دل سے پیاری کونٹی۔ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی۔ کیا آپ مجھے چاہتی ہیں؟

میں نے بے اختیار کہا: "نہیں۔ ہرگز نہیں" وہ مجھ سے اور قریب ہو گیا۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے میری ٹھوڑی کو پکڑ کر اونچا کیا۔ تاکہ میں اس کی طرف دیکھوں۔ اس نے کہنا شروع کیا: "کونٹی! مجھے سچ سچ بتا دو۔ اور قسم کھا کر کہو۔ کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔ کیا واقعی تم مجھے نہیں چاہتیں؟" میں نے بے اختیار ہو کر اپنے دونوں بازو اس کے گلے میں حمائل کر دیئے۔ اور اس کا چہرہ میرے چہرے سے پیوست ہو گیا۔ میں سسکیاں بھر رہی تھی اور "ہاں۔ ہاں" کہہ رہی تھی۔ میں نے اپنے یہ الفاظ سنے "میں یقیناً تم سے محبت کرتی ہوں۔ او پیارے عاشق! میں تمہیں جان و دل چاہتی ہوں" یکایک میں نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد پایا۔ اور میں بھاگ کر دور جا کھڑی ہوئی۔ میں نے کہا "تم نے مجھ سے زبردستی اقرار کرا لیا ہے۔ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ میں تم سے کبھی شادی نہیں کروں گی اور میں دوبارہ تم سے ملنا نہیں چاہتی۔ میں اندھا دھند مڑی اور دروازہ میں سے لڑکھڑاتی ہوئی اپنے کمرہ میں جا کر پلنگ پر گر پڑی۔ میں نے اپنے بستر کے تکیوں میں اپنا گرم چہرہ چھپا لیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہاں تک کہ میری آنکھوں میں رونے کے لئے کوئی اور آنسو باقی نہ رہا۔

لانس نے مجھے اگلے روز اور پھر سوموار کو ٹیلیفون کیا۔ مگر میں نے کوئی جواب دیئے بغیر اسے بند کر دیا۔ منگوار کو مجھے اس کا ایک خط ملا جسے میں نے پڑھے بغیر پھاڑ کر پھینک دیا۔

میری والدہ نے مجھ سے اس ناراضگی کا سبب پوچھا۔ اور دریافت کیا۔ کہ کیا تم دونو جھگڑ پڑے ہو۔ یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے جس میں دخل دینا میرے لئے جائز نہیں۔ میں پہلے سمجھتی تھی۔ کہ تم دونو مارسن کے متعلق لڑ پڑے ہو۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ مارسن کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا۔ "ماں۔ ہم جھگڑے نہیں۔ لیکن وہ مارسن کی ملکیت ہے۔ اس لئے مجھے اس سے گھلنے ملنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مجھے اس سے سخت کلامی کرنے کا افسوس ہے لیکن ماں۔ میں اب اس کے بارے میں کوئی بات کرنا نہیں چاہتی۔"

جب میری ماں نے زیادہ اصرار کیا۔ تو میں نے کہا۔ کہ لانس کا خیال اتنا زبردست ہے۔ کہ میرا کھانا پینا اور سونا حرام ہو گیا۔ میں نے اپنے دل کے خلاف بغاوت کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر خود کو اس بارے میں بے بس پایا۔ اب بھی میرے کانوں میں اس کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں۔ "کونی۔ ہم دونو یک جان و دو قالب ہیں۔ مجھے تم سے بے پایاں محبت ہے۔ کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

اس کے بعد میری حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ ماں اگرچہ مجھے کچھ نہیں کہتی تھی۔ مگر میری حالت پر کڑی نگاہ رکھتی تھی۔ اسی طرح میرے والد صاحب میری طرف سے فکرمند تھے۔ انھوں نے کہا۔ کہ کام کی کثرت سے تمہاری یہ حالت ہو گئی ہے۔ میں تمہیں فیکٹری سے دو ہفتے کی چھٹی لے دیتا ہوں۔" میں نے کہا۔ کہ "میں چھٹی لینے کے متعلق سوچ کر جواب دوں گی۔"

اگلے سنیچروار کی شام کو لانس ہمارے گھر آیا۔ اس وقت میرے ماں باپ باہر گئے ہوئے تھے۔ میں نے اسے اندر بلا لیا۔ میں اُسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی۔ میرا سر چکرانے لگا۔ اور میرے پاؤں ڈگمگانے لگے۔ لانس نے آگے بڑھ کر مجھے اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے لیا۔ اس نے کہا۔ "پیاری کونی۔ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھ سکتا۔ کیا میں نے تمہیں صدمہ پہنچایا ہے۔ اچھا اگر یہی بات

ہے۔ تو میں غلطی پر تھا۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تم سے محبت کرنا جرم نہیں۔ میری روش سے تم آزردہ دکھائی پڑتی ہو گی۔ اُس نے گہری آہ بھر کر کہا: "اچھا اب میں چلا جاؤں گا۔ اور میری پیاری پھر کبھی نہیں آؤں گا۔" وہ جانے کے لئے مڑا ہی تھا۔ کہ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی رہیں۔ نے چلا کر کہا:۔ "لانس! نہ جاؤ۔ خدا کے لئے نہ جاؤ۔"

وہ واپس مڑا۔ مگر اس نے مجھے چھوا نہیں۔ اس کی آنکھوں سے درد اور سوال نمایاں تھے۔ میں نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا: "لانس میں تمہیں جانے دینا نہیں چاہتی۔ اب پچھلی سب باتیں بھول جاؤ۔" اس نے مجھ سے بغل گیر ہو کر مجھے خوب پیار کیا۔ یہاں تک کہ میرے آنسو تھم گئے۔ وہ آہستہ سے بولا: "کوئی تم واقعی مجھ سے بیاہ کرو گی۔ میں نے جواب دیا: "میں ضرور کروں گی۔ خواہ یہ اقدام غلط ہی کیوں نہ ہو۔"

لانس نے مجھے بھینچتے ہوئے کہا: "ہماری شادی ہرگز غلط اقدام نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم دونو ایک دوسرے کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔" میں نے اس کے کندھے پر سر ڈالتے ہوئے کہا۔ خواہ کچھ ہو۔ میں تم سے ضرور بیاہ کروں گی۔ جو حالت میری اس ہفتے کے دوران میں ہوئی ہے۔ میں اسے آئندہ ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کروں گی۔ لیکن لانس یاد رہے۔ اس راز سے کوئی تیسرا واقف نہ ہونے پائے۔ یہ سن کر لانس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔ "کیوں؟" میں نے کہا: "مارسن میری بہن ہے۔ اگر میں اس کی کوئی شئے چرانے کا ارادہ کروں تو مجھے اپنا دایاں ہاتھ کاٹ دینا زیادہ آسان ہوگا۔ اور تم جانتے ہو۔ کہ تم اس کی امانت ہو۔"

لانس نے پُر جوش آواز میں جواب دیا: "میں صرف تمہاری ملکیت ہوں۔ میں کسی کو ہرگز نہیں چاہتا۔ میں نے کہا کہ مارسن کو پتہ نہیں کہ ہم دونو کی محبت ہو گئی ہے۔ اور نہ ہی میرے اور اس کے ماں باپ کو ہمارے تعلقات کا صحیح صحیح علم ہے

اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ یہ سب لوگ اور مارسن ہماری شادی کے راز سے آگاہ نہ ہونے پائیں۔ ہمیں کچھ عرصہ اس راز کو ہر قیمت پر صرف اپنے ہی تک محدود رکھنا ہو گا۔ میں کوئی ترکیب سوچوں گی۔ کہ کس طرح اس راز سے ان سب لوگوں کو آگاہ کروں۔ لیکن ابھی نہیں۔" لانس نے آہ بھری اور کہا۔ میں یہ باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ تاہم اگر تم ایسا چاہتی ہو۔ تو یقین رکھو۔ کہ ایسا ہی ہو گا۔ پیاری کوئی! میں اس وقت دو ہفتے کی چھٹی پر ہوں۔ اور اس کے بعد مجھے اپنی ملازمت کے سلسلے میں سمندر پار جانا ہو گا۔ یہ سن کر گویا میرا دل میرے حلق میں آکر اٹک گیا۔ میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ کہ "پیارے لانس! ہمیں اب ایک دن بھی ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔"

آخر صرف ہم دو نو نے بڑی تیزی سے شادی کی تیاریاں کر کے مختصر رسوم ادا کیں۔ اور جب ہم تیاریوں سے فارغ ہو کر سلسلۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے تو لانس کی چھٹی کے صرف آٹھ دن رہ گئے تھے۔ میں بھی بیماری کی رخصت لے چکی تھی۔ گھر سے دور دیہاتی علاقہ میں ہم دونو نے ایک جھونپڑی میں اپنی مسرت کا یہ ہفتہ گزارا۔ اب مجھے علم ہوا۔ کہ ہم دونو میں کس قدر بے پایاں محبت تھی۔ ہم نے ایک دوسرے سے پیمانِ وفا باندھے۔ اور چھٹی ختم ہونے پر میرا خاوند یعنی لانس اپنی ملازمت پر چلا گیا۔ اور میں اپنے گھر آگئی۔

مجھے گھر آئے ہوئے نصف گھنٹہ ہی ہوا تھا۔ کہ میری ماں بولی۔ کہ "مارسن تمہیں یاد کرتی رہی ہے۔ چھٹی سے تمہاری صحت پر بہت اچھا اثر پڑا ہے بلاشبہ وہ تمہیں تندرست دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔ یہ سن کر میں ایک دم گھبرا گئی۔ میں نے دل میں کہا۔ وہ گھر آئے گی۔ اور بلاشبہ وہ لانس کے متعلق بھی پوچھے گی۔ میں اس راز کو کب تک چھپاؤں گی۔ میں اسی حالت میں غلطاں و پیچاں تھی۔ کہ مارسن نے مجھے ٹیلیفون کیا۔ اور کہا۔ "ہیلو! کوئی! فیکٹری میں کام کرنے والی دوشیزہ آگئی ہے؟ میں تم سے کب ملنے آؤں۔ خیر سے

ابھی تو رہیں۔" اس کی آواز میں بناوٹ تھی ۔ میں نے سمجھا۔ کہ اس کو تمام راز کا پتہ چل گیا ہے۔ میرے ضمیر نے مجھے ملامت کرنا شروع کیا۔ میں نے پچھتا کر کہا کہ اگر میں لانس کو پہلے ہی مرحلہ پر روک دیتی ۔ تو آج میں مارسن کو اس کے بہترین دوست سے محروم کرنے کے جرم کی ہرگز مرتکب نہ ہوتی ۔

رات کو میں اپنے کمرہ میں آئینہ کے سامنے کھڑی ہوئی کنگھی کر رہی تھی ۔ کہ میری ماں نے مجھے پکارا اور کہا۔ کہ مارسن آگئی ہے ۔ کیا میں انہیں تمہارے پاس بھیج دوں؟ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر پکارا "مارسن! چلی آؤ" میں نے دیکھا کہ وہ لڑکھڑاتی ہوئی آرہی تھی ۔ اس کا بدن اس کے اختیار میں نہ تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہوچکا تھا۔ اور آنکھیں آنسوؤں سے پُرنم تھیں ۔ میں نے سمجھ لیا۔ کہ وہ مجھ سے میرے جرم کا اعتراف کرانے کے لئے آرہی ہے ۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی میرے پلنگ کے کنارے پر آبیٹھی ۔ اُس نے کہا "پیاری! میں تمہیں دوبارہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہوں" میں نے جواب دیا —— مارسن میں تم سے مل کر از حد مسرور ہوئی ہوں ۔ کیا تم نے اپنی نئی جگہ کا پوری طرح لطف اٹھایا" میں نے دیکھا اس کے چہرے کا رنگ فق تھا۔ اس نے رکتے رکتے کہا "کونٹی! میں تم سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں ۔ مگر اس کو شروع کرنے کے لئے مجھے الفاظ نہیں ملتے ۔ میں نے آہیں بھرتے ہوئے اپنا سر دونو ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اور رونے لگی ۔ وہ مجھ سے لپٹ گئی ۔ اور کہنے لگی "پیاری کونٹی روؤ مت ۔ مجھے افسوس ہے کونٹی ۔ میں نے تمہارے خلاف ایک غلط قدم اٹھا لیا ہے جس کا تمہیں علم ہے ۔ میں اپنے آپ کو غدار سمجھتی ہوں ۔ پیاری یقین کرو ۔ کیا کروں ۔ میں اس سے خوفناک طور پر محبت کرتی تھی ۔ اور میں سمجھتی ہوں ۔ کہ اس قسم کی محبت کسی نے آج تک نہ کی ہوگی ۔

مارسن میں نے اپنا سر اٹھایا ۔ اور حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی ۔ مارسن تم کیا کہہ رہی ہو؟ اس نے کہا "کونٹی! میں نے مائنگ سے شادی کرلی

ہے۔ مجھے گمان بھی نہ تھا۔ کہ میں محبت سے اندھی ہو کر تمہاری ملکیت ہتھیا لونگی پیاری مجھے معاف کر دو۔ ہم دونو اکٹھے رہے۔ ہم دونو کو ایک دوسرے سے محبت ہو گئی۔ کونی مجھے بخش دو۔"

میں نے آہستہ سے کہا۔" اخاہ! تم نے مائیک ٹرنیٹ سے بیاہ کر لیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔" ہاں۔ تم نے اس کے متعلق سن لیا ہوگا۔ اور میں اس واقعہ سے آپ کو آگاہ کرنے آئی ہوں۔ یہ سن کر میں نے زور زور سے قہقہے لگانا شروع کر دیا۔ اور میں نے جوش سے مارسن کو اپنے سینہ سے لپٹا کر خوب بھینچا۔

میں نے کہا۔" پیاری مارسن! میں سمجھتی تھی۔ کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہو گئی ہے" اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔" نفرت! اور تم سے۔ کیوں؟"۔ میں سنجیدگی سے بولی۔" اس لئے کہ میں نے لانس میکلین سے شادی کر لی ہے۔" جب وہ بھی میری داستان سے آگاہ ہوئی۔ تو کھلکھلا کر ہنستی ہوئی مجھ سے بغل گیر ہو گئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین کو شادی کی خبر ہے۔ اس نے نفی میں جواب دیا۔ میں نے کہا۔ کہ میرے ماں باپ کو بھی ابھی تک لانس سے میری شادی کا کوئی علم نہیں۔ میں نے دیوانہ وار مارسن کو گھسیٹتے ہوئے کہا کہ آؤ دونو چل کر ہم اپنے اپنے والدین کو "شادی" کی اطلاع دیں۔

انگریزی سے ——— (دھرم پال)

٦

پردیسی کا پیار

یہ کہانی اس شخص کی ہے جس نے دنیا کے اس سُونے کونے میں جہاں کئی کئی مہینوں تک اندھیرا گھپ رہتا ہے۔ اور برف سے ڈھکی زمین کی قبر پہ بیٹھی پژمردہ زندگی اور مسرّت کے نُور کے ماتم میں لمبی ہچکیاں بھرتی رہتی ہے۔ محبّت کی شمع روشن کی تھی۔ تاریکی کے بحرِ بیکراں کی لہروں کا سکون ٹوٹ گیا۔ زمین کے محور کے قریب ستارے گردش کرتے ہُوئے رک گئے۔ اور تھکا دینے والی تاریکی میں یہ شمع دو دلوں کو منوّر کرنے لگی۔ محبّت کی قوّت کو مذہب کی پابندیوں سے جکڑنے والے اور پیار کے چراغ کو سوسائٹی کے من گھڑت اصولوں کی پھونکوں سے گل کرنے والے مانیں یا نہ۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے

کہ محبت کا گلا نہیں کاٹا جا سکتا۔ اس کے طوفانوں کو روکا نہیں جا سکتا۔ اس کے تھپیڑوں کی حرارت کو ٹھنڈا نہیں کیا جا سکتا۔ پیار کا دیوتا۔ تمام دنیاوی روکاوٹوں کو روندتا ہوا محبت کے پجاریوں کو مسرتوں کے مندر میں لے ہی جاتا ہے۔

محبت کے اثر سے ستارے گنگناتے ہیں۔ چاند ناچتا ہے۔ درخت وجد میں آ کر جھومتے ہیں۔ پتے تالیاں بجاتے ہیں۔ پہاڑوں پر جمی ہوئی بے جان برف پگھل جاتی ہے۔ یہ محبت ہی تو ہے۔ جس کے سحر سے تاریکیوں میں گھومتی ہوئی دنیا اپنے مرکز پر قائم ہے۔ ورنہ ممکن تھا کہ یہ محیطِ بے کراں میں آوارہ و آزاد گردش کرتے ہوئے کسی اَن گنت پتھروں سے بھرے سیارے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی

(۲)

زار کی نوکر شاہی اور مطلق العنانی کے خلاف علمِ بغاوت اٹھانے والوں کی سرکوبی کے لئے جب قانون زار کے پہیئے حرکت میں آئے تو سب سے پہلے سٹالین اور اس کے رفیقِ کار "اورزنکی کو روس سے سائبیریا کے غیر آباد۔ اجڑے ہوئے علاقہ میں جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ دونو ایک دوسرے کے گہرے دوست دونو جارجیا کے صوبہ کے ایک غیر معروف گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اکٹھے ہو کر انھوں نے غربت کے طوفانوں کا مقابلہ کیا۔ مِل جُل کر انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ مدرسے کے سب لڑکے ان دو شریر لڑکوں کے گٹھ جوڑ سے خوف کھاتے تھے۔ اور جب انقلابی تحریک شروع ہوئی۔ قوم پرستوں اور زار کے باغیوں نے شاہی خزانے لوٹنے شروع کئے۔ تو دونوں جوشیلے جوان اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ بچپن کی اوّلین گھڑیوں سے شروع ہوئی۔ ان کی یہ رفاقت زار کے عدل و انصاف سے خالی درباروں میں بھی قائم رہی۔ مقدمہ کی سرسری سماعت کے بعد ان دونو کو دیش سے دُور برف سے ڈھکے بنجر

علاقہ میں بھیج دیا گیا۔

اس قدر گہری محبت۔ اور اس قدر پکّی دوستی کے باوجود سٹالین اور اورزنکی کی فطرتوں میں زمین آسمان کا فرق رہا۔ بالشوزم کی نشتروں نے ابھی ان کے دلوں کو چھلنی نہیں کیا تھا۔ کمیونزم کا زہر ابھی ان کے خون میں داخل نہیں ہو سکا تھا۔ تو بھی سٹالین تنہائی پسند اور خاموش طبع تھا۔ وہ اندھیرے میں تنہا بیٹھ کر تھکا دینے والی سوچ کی غاروں میں لڑھکا رہتا۔ لیکن اس کے خلاف اورزنکی تھا کہ وہ مصیبتوں کے بادلوں کو سر پر گرجتا دیکھ کر بھی مسکراتا تھا۔ زمین کی گردش رُک جانے کے خوف سے سہمی ہوئی برف پر چلتا ہوا وہ پاگلوں کی طرح دُور دُور نکل جاتا۔ اور جب پاؤں تھک جاتے۔ تو برف کے ٹیلے پر بیٹھ کر سستانے لگتا۔ اور پھر اپنے رکے ہوئے سفر کو شروع کر دیتا۔ سٹالین نے اُسے کئی بار کہا بھی "اورزنکی پاگل ہو گیا۔ جو سائبیریا کے ان سُونے علاقوں میں بھی مسکراتے رہتے ہو۔ سرپھروں کی طرح گھومتے رہتے ہو۔" لیکن یہ پند سود مند اورزنکی کی روح کے نغموں کو ٹھنڈا کرنے میں ناکام رہے۔

سٹالین اپنی کال کوٹھڑی کے دروازے کی دہلیز پر بیٹھا بیٹھا اونگھتا رہتا یا ٹنڈرا کے ریچھ کی طرح کالا کمبل تان سویا رہتا۔ صنوبر کے درختوں اور برف کے گالوں سے اُسے کوئی اُنس نہیں تھا۔ اسے محبت تھی تو نیند سے۔ نیند کھلنے پر دہلیز کے باہر جھانک کر دیکھنے پر جب اسے ہر طرف سفید سفید برف دکھائی دیتی تو وہ فوراً دہشت سے اپنا مُنہ ڈھانپ لیتا۔ اور کمبل تان کر نیند کے چرنوں پہ سیس جھکا دیتا۔ اس کے برعکس اورزنکی کو قدرت سے محبت تھی۔ اس کی روح اجڑی ہوئی دنیا میں آکر بھی قدرت سے پیار کرتی رہی۔ صنوبر کے درختوں۔ زرد پھولوں سے لدی ٹہنیوں۔ کالے جنگلوں اور پگھلی برف سے چند گز دن تک چلنے والی ندیوں کو دیکھ کر وہ دیوانہ وار مسکراتا رہتا۔

گرمیوں میں تو اس کا معمولی یہ تھا۔ کہ کبھی نہ ختم ہونے والے سائبیریا کے

جنگلوں میں تن تنہا گھومتا رہتا۔ پاگلوں کی طرح۔ بے جان بجلی سے چلنے والے بُت کی طرح۔ بھوک پیاس سے بے نیاز ہو کر تنہائی اور وحشت کے اندھیرے سے جکڑے ہوئے جنگلوں میں وہ میلوں تک چلا جاتا۔ اور کئی مرتبہ اس کا یہ سفر صبح سے شروع ہو کر شام کے اندھیارے تک جاری رہتا۔ بھوک لگتی تو کسی اسکیمو (اس علاقے میں رہنے والے) کی جھونپڑی میں جا کر ٹوٹی پھوٹی بولی بول کر یا اشاروں سے گلی سڑی مچھلی یا کبھی کبھی تازہ بھنا ہوا گوشت کھا لیتا۔ کئی مرتبہ تو اپنی کوٹھڑی میں وہ دو دو تین تین دنوں کے بعد جاتا۔

ایک دن اورزنکی جنگلوں میں گھوم کر واپس آ رہا تھا۔ کہ اُس نے رستہ میں ایک سولہ سالہ اسکیمو لڑکی کو برف پر بے حس و حرکت پایا۔ اورزنکی نے نبض دیکھی۔ دل حرکت کر رہا تھا۔ مگر برف باری سے شاید اس کا خون رگوں میں منجمد ہوا جا رہا تھا۔ اورزنکی نے اسے اپنے کندھے پر اٹھایا۔ اور اپنی کوٹھڑی میں لے آیا۔ اس نے لڑکی کو اپنے کمبل سے ڈھانپ کر آگ جلائی۔ آگ کی تپش و حرارت سے خون کی گردش پھر شروع ہو گئی۔ لڑکی میں جان آگئی۔ چونک کر اُس نے دیکھا کہ وہ اپنی جھونپڑی میں نہیں بلکہ ایک اجنبی پردیسی کے گھر میں تھی۔ اور وہ پردیسی اس کے پاس بیٹھا آگ تاپتا ہوا اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو وہ کچھ سہم گئی۔ لیکن اورزنکی نے اشاروں اور ٹوٹی پھوٹی بولی سے اسے بتایا کہ وہ برف پر بے جان پڑی تھی اور اگر وہ چند لمحے دیر سے پہنچا تو شاید اس کی زندگی ابدی موت میں منتقل ہو جاتی۔

اورزنکی نے دیکھا کہ لڑکی کے مُرجھائے ہوئے زرد چہرہ پر چھائی ہوئی پژمردگی اب آگ کے شعلوں کی حرارت سے مٹتی جا رہی تھی۔ اور اس کی جگہ سرخی اور شوخی نے لے لی تھی۔ اس کے خشک سفید ہونٹوں پر اب ہلکی ہلکی سُرخی رقصاں تھی۔ اور اس کے رخساروں پر حسن کا نور کھیل رہا تھا۔

لڑکی کو بھوک لگی تھی۔ اورزنکی اندر گیا۔ اور اپنی بچائی ہوئی روٹی اور

گوشت لے آیا۔ جب لڑکی میں چلنے پھرنے کی ہمت واپس آگئی تو اُسے اس کے والدین کے پاس چھوڑنے چل پڑا۔ آگے آگے وہ لڑکی تھی اور پیچھے پیچھے وہ۔ جمی ہوئی سفید برف کے گالوں پر لڑکی کے خوبصورت پاؤں دھرنے پر اورزنکی کے دل میں کئی بار محسوس ہوا جیسے کوئی حسن کی دیوی سنگ مرمر پہ قدم بڑھاتی چلی جا رہی ہو۔ اسکیمو لڑکی کے والدین کی جھونپڑی آگئی۔ لڑکی نے اپنا سارا قصّہ اپنے ماں باپ کو سنایا۔ انھوں نے اورزنکی کو عزت و احترام سے بٹھایا۔ اور اس کا شکریہ ادا کیا۔

اپنی کوٹھڑی کی طرف لوٹنے سے پہلے اورزنکی نے اس لڑکی سے کہا "مرگانہ! (اس لڑکی کا نام) مجھے ملنے کے لئے میرے پاس آیا کرنا"۔ اور کچھ رک کر مرگانہ کے والد سے بولا "اگر مرگانہ میرے پاس آئے تو میں اسے روسی۔ فرانسیسی اور جرمن زبانیں سکھا دوں گا"

مرگانہ کے اصرار پر اس کے والدین نے اورزنکی کی پیش کش قبول کر لی۔ جلاوطنی کی وحشت بھری تنہائی اب رونق کے اجالے سے اجاگر ہو اٹھی۔ پاگلوں کی طرح بے جان درختوں کے میلوں لمبے جنگلوں میں گھوم گھوم کر تھک جانے والے اورزنکی کی زندگی میں اب مصروفیت اور رونق بھر گئی۔ اور اس کے باغ زندگی میں خزاں کی اندھی کی جگہ بہار کے دلنواز نغمے گونجنے لگے۔ دوسری طرف سٹالین تھا۔ جو اب بھی اندھیرے سے بھری کوٹھڑی کے پرلے کونے میں کمبل تانے لیٹا رہتا یا بہت ہوتا تو اپنی کوٹھڑی سے باہر نکل اور زنکی کو مرگانہ کو پڑھاتے دیکھتا رہتا۔

اورزنکی اور مرگانہ اب ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے تھے۔ مرگانہ کے دل میں اپنے محسن اورزنکی کے تئیں جو عقیدت تھی اب وہ کلی سے محبت کا پھول بننے لگی اور اورزنکی کو نہ جانے کیوں مرگانہ کے بغیر زندگی ویران اور روح تڑپنے والی محسوس ہوتی۔ اگر کسی دن مرگانہ نہ آتی۔ تو اورزنکی پاگلوں

کی طرح بار بار کوٹھڑی کے کھلے دروازے کے باہر افق کی وسعتوں تک پھیلی ہوئی برف کو گھورتا اور مرگانہ کو تلاش کرتا۔

مرگانہ اب اور زنکی کو خوش نما جنگلوں میں لے جا کر اپنے دیش کی بولیاں بتاتی اپنے بے علم۔ تعلیم و تہذیب سے بے بہرہ لوگوں کے رسم رواج بتاتی۔ اور زنکی مرگانہ کی زندگی کا ایک ضروری جزو بن گئی اور مرگانہ اور زنکی کی روح پر قابض ہو گئی محبت کی شمع نے دونوں کی زندگیوں کو پر نور بنا دیا۔ اور زنکی کی جلا وطنی کی خوفناک تنہائیاں مٹ گئیں۔ برف سے ڈھکے ہوئے میدانوں پر بکھری ہوئی وحشت اس کے لئے اب وحشت نہ رہی۔ دیش سے دُور آ جانے پر اس کے سینے میں جو ٹیسیں سی اٹھا کرتی تھی۔ اب وہ محبت کے ترانے سنکر فنا ہو گئی۔ صبح سے ... شام تک وہ حسن کی دیوی مرگانہ کو سامنے بیٹھلائے اس کی پوجا کرتا اور ساتھ ساتھ اسے پڑھاتا جاتا۔ ظلمت اور جہالت کی تاریکیوں کو پھاڑ کر مرگانہ اب چکا چوند کر دینے والے اجالے میں پہنچ گئی۔ اور زنکی کی محبت سے وہ اس قدر سرشار ہو چکی تھی۔ کہ رات کو سوتی ہوئی بڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی اور پاگلوں کی طرح اور زنکی اور زنکی پکار اٹھتی۔

مرگانہ اور اور زنکی کی محبّت جلا وطنی کی تاریکیوں میں جاری رہی۔ محبّت کا پودا اب بھاری درخت بنتا جا رہا تھا۔

اسکیموؤں کو اور زنکی کے خلاف کچھ شُبہ سا ہوا۔ انہیں شک پڑا جیسے اور زنکی اب ان کی جوان لڑکی مرگانہ کی روسی اور جرمن زبانیں نہیں بلکہ محبّت کے درس پڑھاتا ہو۔

اور ایک دن وہ راز افشا ہو ہی گیا۔ جیسے اور زنکی اور مرگانہ کئی ہفتوں سے اپنے سینوں میں چھپانے چلے آ رہے تھے۔

پگھلی ہوئی برف کے کنارے صنوبر کے درختوں سے گھرے سبزہ زار پر اور زنکی مرگانہ کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں دبائے ہوا کہہ رہا تھا۔ "مرگانہ جلا وطنی ختم ہونے

پرجب میں تمہیں اپنے دیش میں لے چلوں گا۔ تو تم حیران سی ہو جاؤ گی۔ میرے دیش جارجیا میں خوبصورت پہاڑیاں سینہ تانے کھڑی ہیں۔ سونا اگلنے والے کھیت لہلہاتے ہیں۔ عالی شان عمارتیں آسمان کے ہونٹوں کو چومتی ہیں۔ کشادہ سڑکوں پر گھوڑوں سے چلنے والی خوبصورت گاڑیاں حرکت کرتی ہیں
مرگانہ جیسے سپنوں کی کہانیاں سن رہی تھی۔ اور زنکی کا منہ چوم کر بولی "کیا سچ مچ! تم مجھے وہاں لے چلو گے"
ہاں تمہیں لے چلوں گا میری مرگانہ۔ میں اپنے دیش کی رونقوں میں جا کر بھی اب تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میرے جسم اور میری روح پر اب تمہارا قبضہ ہے"
اسکیموؤں نے چھپ کر جب دونو کو محبّت کی پینگیں بڑھاتے دیکھا تو انھوں نے مرگانہ کو اور زنکی کے پاس جانے کی ممانعت کر دی اور پھر برادری کا جلسہ بلا کر فیصلہ کیا۔ کہ اسکیموؤں کی عزّت وآبرو پر ہاتھ ڈالنے والے اور زنکی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔
دن ڈھلنے پر جب اور زنکی کوٹھڑی کے دروازے بند کر کے سٹالین کے پاس لیٹ کر حسین مستقبل کے خواب لے رہا تھا مرگانہ کے دور رشتہ داروں نے لمبے بھالوں اور تیز دھار خنجروں سے مسلح ہو کر اس کی کوٹھڑی پر حملہ کر دیا اور زنکی اور سٹالین بڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ انھوں نے سنا کوئی دروازہ توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا" اپنے آپ دروازہ کھول دو۔ ورنہ ہم دروازہ توڑ دیں گے۔ ہمیں اور زنکی کے سر کی ضرورت ہے۔ بدمعاش کہیں کا۔ ہماری عزّت پر ڈاکہ ڈالتا ہے"
سٹالن کچھ نہیں سمجھ سکا۔ مگر اور زنکی سمجھ گیا۔ مرگانہ سے محبّت کرنے کا راز افشا ہو چکا تھا۔ اور اپنی جس ویران زندگی کو حسین بنانے کے لئے اور زنکی نے مرگانہ کو تعلیم و تربیت دی تھی اب موت کی دہلیز پر کھڑی

تھی۔ ستالین نے کہا "اورزنکی یہ لوگ ہم پر حملہ کیوں کر رہے ہیں؟ مرگانہ کو تم نے کوئی بری بات کہہ دی ہے؟" لیکن یہ وقت ستالین کو محبت کی دلنواز کہانیاں اور رومان بھرے قصے سنانے کا نہیں تھا یہ وقت زندگی کو موت سے ہم کنار ہونے سے بچانے کا تھا۔ اورزنکی بولا "میں چور دروازہ سے باہر نکل جاتا ہوں۔ ستالین تم اس دروازے کے پاس کھڑے رہنا۔ دروازہ مت کھولنا۔ ورنہ وہ تمہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ میں جاتا ہوں۔ زندگی باقی رہی تو پھر ملوں گا۔ ستالین! الوداع!"

نیند کے خمار سے دبا ہوا ستالین دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اورزنکی چور دروازہ کھول کر چلا گیا۔

تھوڑی دور جانے کے بعد اورزنکی نے دیکھا تاریکی میں ایک سایہ اس کی طرف تیزی سے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس نے سمجھا اسکیمو اسے قتل کرنے کے لئے یہاں بھی آن پہنچے ہیں۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی ٹانگوں کو گھسیٹتا ہوا دوڑ پڑا۔

سایہ بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگے چلا آ رہا تھا۔

کوٹھڑی سے دو میل تک دوڑنے کے بعد جب اورزنکی تھک گیا اس میں دوڑنے کی سکت ختم ہو گئی۔ تو وہ بے دم ہو کر ایک گرے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ گیا۔

سایہ اس کی طرف لپک رہا تھا۔ اورزنکی موت کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر کانپ اٹھا۔

مگر معاً سایہ نے قریب آ کر کہا "اورزنکی!"

"مرگانہ!! ہے۔۔ تم!"

"ہاں میں!

مرگانہ! تمہیں پتہ نہیں کیا؟ تمہارے رشتہ دار مجھے قتل کرنے کے لئے دیوانہ وار گھوم رہے ہیں۔ تم میرا ساتھ چھوڑ دو۔ تم جاؤ۔ مرگانہ۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو تمہاری زندگی بھی خطرہ میں پڑ جائے گی!"

مرگانہ بولی! "لیکن میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور زنکی میں تمہاری جدائی میں سسک سسک کر مرنے کی نسبت تمہاری خاطر خون بہا دینے کو ترجیح دیتی ہوں۔ اور زنکی میں تمہارے ساتھ جاؤں گی"

"میرا راستہ بہت لمبا ہے۔ میرا سفر تھکا دینے والا ہے۔ سارا راستہ خار دار جھاڑیوں سے بھرا ہے۔ تم چلتی چلتی تھک جاؤ گی۔ مرگانہ تم اتنی مصیبتیں نہیں سہہ سکو گی"

"مصیبتیں دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تو گھر سے باہر قدم نہ رکھتی۔ اور زنکی ہمارے سروں پر قدرت کی شفقت کا ہاتھ ہے"

اور زنکی نے دفورِ محبت سے مرگانہ کو اپنی باہنوں میں لے لیا اور اس کے ہونٹوں پر ہونٹ پیوست کر دیئے۔

اور پھر سفید برف کی خون منجمد کر دینے والی سردی اور گھٹا ٹوپ تاریکی میں ان کا ایک نہ معلوم منزل کی طرف کوچ شروع ہو گیا کتنے ہی دنوں تک چلنے کے بعد انھوں نے گاؤں کی شکل دیکھی تو جان میں جان آئی۔ کھانا کھانے اور کپڑے بدلنے کے بعد اور زنکی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ گرجا گھر جا کر پادری سے نکاح پڑھنے کی درخواست کی۔ پادری نے درخواست قبول کر لی اور ان کی شادی کر دی مرگانہ کو لوگ آج کل مرگانہ نہیں میڈیم اور زنکی کہتے ہیں اور وہ کریملین میں روس کے ڈکٹیٹر مارشل سٹالین کے دست راست مارشل اور زنکی کے کمرہ میں بیٹھ کر دنیا پر حکمرانی کرتی ہے۔

(دھرم پال)

٧

اندھی آنکھیں

رادھا اس رات سو نہیں سکی۔ سونے کا جتن کرنے کے باوجود اس کی حسین آنکھیں نیند کھینچنے میں ناکام رہیں۔ سفید تارے تاریکیوں سے بھرے ہوئے آسمان کی گود میں اچھل رہے تھے۔ رادھا نے ان کی ہلکی سی روشنی میں آنکھیں بند کر کے نیند ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہی۔ اس نے کہکشاں کے الجھے ہوئے تاروں میں گھس کر سکونِ قلب کو تلاش کیا۔ لیکن اس کے دل کو کہیں بھی سکون نہ مل سکا۔

وہ ابھی تک حیرانی کے ساتھ پاس سوئے ہوئے مہمان کے سپنے لے رہیں آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ یہ مہمان —— یہ پردیسی شام کے اندھیارے

..ہیں ان کے گھر آیا۔ تاریکی اور خاموشی سے گھری ان کی گھاس پھونس کی بنی ہوئی جھونپڑی کی کنڈی کھٹکی۔ رادھا سہم گئی۔ رادھا کا اندھا سوامی نرناتھ بھی سہم گیا۔ جس جھونپڑی کے دروازے کو کسی نے دن کی روشنی میں بھی ہاتھ نہ لگایا تھا۔ کوئی شخص اس کے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹا رہا تھا۔ فضا کا سکون ٹوٹ گیا۔ جنگل کی بھیانک خاموشی میں کنڈی کی کھٹکھٹاہٹ گونج اٹھی۔

رادھا نے ایک مرتبہ ایسے محسوس کیا جیسے کوئی کنڈی کو کھٹکھٹا نہیں رہا۔ بلکہ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رادھا اس خیال کے آتے خوف سے کانپ اٹھی۔ اور اندھے سوامی نرناتھ سے چمٹ گئی۔ لیکن وہ بیچارہ کیا کر سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں تاریک تھیں۔ نرناتھ نے گھبرا کر کہا۔ رادھا جاؤ شائید کوئی مصیبت کا مارا پناہ مانگ رہا ہے۔ دروازہ کھول کر دیکھو کون ہے؟

دروازہ کی کھڑکھڑاہٹ سے خاموشی اور تاریکی کے سمندر کی بے پناہ لہروں میں تھرتھراہٹ ہوئی۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد پھر وہی سناٹا چھا گیا۔

رادھا نے سنا کوئی ہلکی سی ڈوبی ہوئی آواز میں پکار رہا تھا۔ "بھائی! ڈر مت دروازہ کھول دو" کچھ دیر تک فضا میں اس کمزور نحیف آواز کے ہلکے نقوش تیرتے رہے اور پھر ایک لمبی تھکا دینے والی خاموشی چھا گئی۔

مگر چند ہی لمحوں کے بعد کسی نے پھر زور زور سے دروازہ کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔

رادھا اٹھی۔ اس نے سنا۔ دروازہ کھٹکھٹانے والا برابر کہے جا رہا تھا "ڈرو نہیں بھائی دروازہ کھول دو۔ پردیسی پر رحم کھاؤ!"

رادھا نے ہمت سے کام لیا۔ کنڈی اتار دی۔ اور دروازے کا ایک پٹ کھول دیا۔ رادھا نے دیکھا دہلیز کے باہر ایک اجنبی کھڑا تھا خوبصورت

آنکھوں والا۔ گھنگھریلے بالوں والا۔ خندہ پیشانی والا۔ اور اس پردیسی نے دیکھا۔ دروازہ کھولنے والا مرد نہیں تھا بلکہ تھی ایک عورت ۔ حسین عورت جس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی مستی تھی۔ ایک عجیب سی دیوانگی جس کے بالوں کا رنگ چڑھتے ہوئے سورج کی کرنوں کی طرح سنہری تھا۔ جس کی بھولی بھالی صورت کچھ ایسی من موہنی سی تھی جیسے شبنم سے بھیگی ہوئی گلاب کی پنکھڑیاں۔

اجنبی بولا "کشما کرنا دیوی! آپ کو کشٹ دیا ہے۔ شکار کھیلنے آیا تھا۔ راستہ سے بھٹک گیا۔ اس ہُو ہُو کرتے جنگل میں مجھے آپ کے مکان کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ملا۔

اجنبی کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ جیسے کوئی پہاڑی نالہ رات کی تاریکی میں غیر آباد پہاڑیوں میں گم ہو جانے کے خوف سے چیخیں مار رہا ہے۔

رادھا نے ایک لمحہ کے لئے سامنے کھڑے پردیسی کو دیکھا جو بھک منگوں کی طرح ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کی التجا بھری نگاہوں اور لرزتے ہوئے پاؤں کو دیکھ کر رادھا بولی "میں آپ کی کیا سیوا کر سکتی ہوں؟

پردیسی بولا "میں کچھ اور نہیں مانگتا۔ رات گذارنے کے لئے جگہ دیدیں۔ اپنے آنگن کا تھوڑا سا حصہ اور پانی کا ایک گلاس میرے لئے چھوڑ دیں۔ بس! ۔۔۔ اور پھر رک کر بولا "دیوی مجھے کشما کرنا آپ کو بے وقت تکلیف دی ہے۔ صبح منہ اندھیرے ہی چلا جاؤں گا۔۔۔۔"

رادھا بولی "اندر آجائیے"

آنے والا دروازہ کو پار کر کے آنگن میں جا کھڑا ہوا۔

رادھا نے کنڈی لگا دی۔

تلسی کی منڈیر پر جلتے ہوئے دیے کی ہلکی سی روشنی میں پردیسی کو دروازہ کے قریب کھڑا کر کے رادھا اندر چلی گئی۔

اجنبی سوچنے لگا۔ جنگل کی تنہائیوں میں حسن و جوانی کا یہ مجسمہ کہاں سے

آگیا؟۔ یہ کون ہے؟ یہاں جنگل میں کیوں رہتی ہے؟
رادھا نے اس کے پاس آکر کہا۔ "چلیئے اندر تشریف لے چلیے ہمیں آپ کو اسراد یکر خوش ہو گی"۔
گھاس پھوس سے بنی جھونپڑی میں جو چند لمحے پہلے تاریکی اور خاموشی کی گہرائیوں میں غرق تھی۔ اب رونق سی پیدا ہو گئی تھی۔ پردیسی نے دیکھا کہ جھونپڑی کے اندر رہنے والی بن دیوی کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا۔ اس کا پتی ــ
رادھا کا اندھا پتی بولا "میں اندھا ہوں۔ نہیں تو آدھی رات کے مہمان کا سواگت خود کرتا۔ پردیسی بھیا! مجھے کشما کرنا"۔
پردیسی نے کہا "آپ اندھے ہیں؟ کیا پیدائش سے ہی آپ کی آنکھیں کام نہیں کرتیں؟"
اندھے نرناتھ نے کہا "نہیں میری آنکھیں دو سال ہوئے خراب ہو گئی تھیں"۔
"کیسے خراب ہو گئی تھیں؟" میزبان عورت کو گھور گھور کر دیکھتے ہوئے نرناتھ سے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں جن میں چند لمحے پہلے عجز و انکساری کے آنسو جھلک رہے تھے۔ اب شبطابنت چمک رہی تھی۔ حسن و جوانی کا کھیل کھیلنے کی ترنگیں اس کے من میں ایک طوفان اٹھا رہی تھیں۔
اندھا نرناتھ بولا "یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ مختصراً قصہ یہ ہے کہ غم کے بعد غم کے تھپیڑے کھانے کے بعد میں بیمار ہو گیا۔ اور غلطی سے کوئی دوائی آنکھوں میں ڈال بیٹھا"۔
رادھا نے روٹی کا تھال پردیسی کے آگے رکھ دیا۔ رادھا کی خمدار پلکوں کو دیکھ کر پردیسی کو محسوس ہوا کہ تیر جھکی ہوئی کمان سے چھوٹ کر اس کے دل میں پیوست ہو جانے کے لئے بے قرار ہو رہے تھے۔ پردیسی نے رادھا

کو غور سے دیکھا۔ اسے محسوس ہُوا۔ جیسے رادھا لامثال پیکرِ حسن تھی جس کے قدموں پر قدرت نے اپنی تمام رعنائیاں نچھاور کر دی تھیں۔

رادھا نے بھی پردیسی کو دیکھا جیسے دیا کی دیوی۔ ایک نردھن بھکاری کے پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو دیکھتی ہے۔ روٹی کا تھال پردیسی کے آگے رکھتے ہوئے رادھا بولی "جو کچھ روکھا پھیکا ہے حاضر ہے!"

اندھے نرناتھ نے اپنی بیٹی کی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا "جو کچھ حاضر ہے اسے قبول کیجئے۔ ہم سادھو لوگ ہیں۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے چند چپاتیاں پکا لیتے ہیں۔ شہروں کے شیریں لوازمات ہمیں میسّر نہیں"

پردیسی نے اپنے دل میں کہا "شیریں لوازمات تو نہیں مگر پیکرِ حسن تو میسّر ہے نہ!" روٹی کھاتے ہوئے بھی اس کی تمام توجہ رادھا پر جمی ہوئی تھی۔

رادھا نے کہا "اگر اور روٹی کی ضرورت ہو تو کہہ دیجئے گا"

پردیسی نے اپنی آنکھوں میں پوری کشش پیدا کرتے ہوئے رادھا کو دیکھ کر کہا "نہیں! میں مشکل سے یہ ہی ختم کر سکوں گا!"

نرناتھ بولا "آپ کو یہ جنگل کی بنی ہوئی سوکھی روٹیاں اچھی نہیں لگیں نہ! کہاں شہروں کے شیریں لوازمات اور کہاں یہ خشک . . . ."

پردیسی نے نرناتھ کی بات کو ادھوری بناتے ہوئے کہا "نہیں! ایسی بات نہیں۔ آپ کے پیار نے۔ آپ کے رحم نے ان روٹیوں میں دنیا بھر کی شیرینی بھر دی ہے"

نرناتھ بولا "یہ تو آپ کی کسر نفسی ہے! ہاں تو . . . آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ یہاں آبادی سے اتنی دوری پر کیسے آنا ہو گیا؟"

پردیسی کھانا کھا چکا تھا۔ ہاتھ دھوتا ہُوا بولا "میں سرکاری ہسپتال میں آنکھوں کا ڈاکٹر ہوں!"

"آنکھوں کا ڈاکٹر؟" اندھا نرناتھ جلدی سے بول اٹھا

اور اس سے پہلے کہ نرناتھ کچھ اور کہتا۔ رادھا بول اٹھی "تو ڈاکٹر صاحب کیا ان کی آنکھیں درست ہو سکتی ہیں؟"

"جی ہاں" پردیسی ڈاکٹر نے مختصر سا جواب دیا۔ مگر یہ جواب سنتے ہی اندھے نرناتھ کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ رادھا نے پردیسی کو دیکھا جو شیطانیت کی بلندیوں پر چڑھتا جا رہا تھا۔ رادھا کو پردیسی کو یوں معلوم ہوا جیسے وہ کوئی دیوتا ہو۔ رحم و کرم کا دیوتا۔

رادھا نے ایک بار پھر حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور کہا "تو ڈاکٹر صاحب! کیا آپ ان کا علاج کر دیں گے؟"

کر دوں گا" ڈاکٹر نے یہ الفاظ کہتے ہوئے رادھا کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں کھبو دیں۔

اس کے بعد کچھ باتیں ہوئیں تھکے ماندے ڈاکٹر کو نیند آ گئی۔ اندھا نرناتھ بھی خراٹے لینے لگ پڑا۔ لیکن رادھا اس رات کو سو نہیں سکی۔ سونے کا جتن کرنے کے باوجود اس کی حسین آنکھیں نیند کھینچنے میں ناکام رہیں۔ سفید تارے تاریکیوں سے بھرے ہوئے آسمان کی گود میں اچھل رہے تھے رادھا نے ان کی ہلکی سی روشنی میں آنکھیں بند کر کے نیند ڈھونڈھنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہی۔ اس نے کہکشاں کے الجھے ہوئے تاروں میں گھس کر سکونِ قلب کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اسے کہیں بھی سکون نہ مل سکا۔

رادھا نے سوچا رات کی تاریکی میں یہ پردیسی ہمارے لئے زندگی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اس سے ہماری زندگی بدل جائے گی۔ ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ ان کی وہ اندھی آنکھیں جو مجھے پیار کرتے ہوئے آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں۔ مجھے جی بھر کر دیکھ سکیں گی۔ رادھا نے ایک مرتبہ پھر پردیسی کو دیکھا۔ اور پھر اسے دیا اور رحم کا دیوتا جان کر پرنام کیا۔

صبح پردیسی نے جب رخصت مانگی تو رادھا نے کہا۔ آپ تو کہتے تھے ان کی آنکھوں کا علاج کر دیں گے ؟"

"ہاں" ڈاکٹر بولا۔

"تو پھر آپ کا علاج کر دیں نہ۔ جتنی قیمت لگے گی میں دے دونگی۔ ڈاکٹر صاحب!"

رادھا کی یہ بات سن کر ڈاکٹر کچھ رکا۔ جھونپڑی میں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اندھا نرناتھ معمول کے مطابق منہ اندھیرے ہی لاٹھی ٹیکتا ہوا بن گنگا کی طرف چلا گیا تھا۔ جھونپڑی میں اب صرف رادھا تھی اور وہ ڈاکٹر۔ آدھی رات کا مہمان۔

ڈاکٹر نے کچھ رک کر کہا "آنکھیں تو اُن کی ٹھیک ہو سکتی ہیں لیکن...

....

لیکن کیا..... ڈاکٹر صاحب! آپ رک کیوں گئے ؟ رادھا نے بے قراری سے کہا " ان کی آنکھیں جس قیمت پر بھی ہوں جیسے بھی ہوں ٹھیک کر دیں۔

رادھا کی آواز عجز و انکساری سے تھرک رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دو آنسو چھلک پڑے۔

ڈاکٹر نے رادھا کو دیکھا خوفناک آنکھوں سے جن میں رادھا کے لئے اور رادھا کے اندھے پتی نرناتھ کے لئے کوئی رحم نہیں تھا۔ جن میں صرف شیطانیت ناچ رہی تھی۔ اس نے کہا " رادھا رانی۔ یہ آنکھوں کا معاملہ ہے۔ اور پھر ان کی آنکھوں کا جن کی خاطر تمہیں اپنا سب کچھ نچھاور کر دینا چاہیئے۔ تمہیں ان کی آنکھوں کے لئے اپنی پیاری سے پیاری چیز کو بھی تیاگ دینا چاہیئے۔

رادھا سمجھ نہیں سکی۔ پتی کے پیار سے بے بس ہوئی۔ بول اٹھی۔ میں سب

کچھ دے دوں گی۔ ڈاکٹر صاحب آپ ان کی آنکھیں ٹھیک کر دیں!"

ڈاکٹر نے معنی خیز نگاہوں سے رادھا کو گھورتے ہوئے کہا۔ "سچے دل سے وعدہ کرتی ہو؟"

"ہاں"

"تو تمہیں ان کی آنکھوں کی قیمت اپنی عصمت سے ادا کرنی ہو گی!"

رادھا جیسے خواب سے چونک پڑی ہو وہ حیران سی رہ گئی۔ دیا اور دھرم کا دیوتا اس کے دیکھتے دیکھتے پاپ اور گناہ کا کالا دیو بن گیا تھا۔ اس نے پردیسی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ آدھی رات کو پناہ مانگنے والا مہمان اسے گناہ کی بھٹی میں جھونکنے کے لئے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

رادھا کے جی میں آیا۔ دھکے دے کر ایسے چنڈال کو گھر سے نکال دوں اس کا ایک ایک بال نوچ ڈالوں۔ اس کی تکا بوٹی کر دوں۔ لیکن عین اسی وقت اندھا نرناتھ آ گیا۔

ڈاکٹر بولا۔ "جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کرو۔ رادھا۔ یہ آنکھوں کا معاملہ ہے۔ بڑے کام کی بڑی فیس ہوتی ہے!"

اندھے نرناتھ نے دہلیز کے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔ "رادھا رانی کیا پردیسی چلا گیا؟ میری آنکھوں کا علاج کئے بنا رخصت ہو گیا؟"

"نہیں" ڈاکٹر نے نرناتھ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے رادھا کو دیکھا جو اپنے اندھے پتی نرناتھ کی پھوٹی ہوئی آنکھوں اور ان آنکھوں کو ٹھیک کرانے کی خوفناک فیس کے متعلق غم و فکر کے گہرے سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ رادھا نے بے کسی کی حالت میں اندھے نرناتھ کی آنکھوں کو دیکھا اور دوسری طرف پاپی دیو ڈاکٹر کو ایک طرف گناہ کی عمیق ترین غار کی لا انتہا تاریکی تھی۔ اور دوسری طرف پتی کا پیار۔ پتی برت رادھا نے بہت جوکھم کے بعد گناہ کی وادی میں سے گذر جانا قبول کر لیا۔

اس کا ایثار انتہائی بلندیوں پر چمک اٹھا۔

رادھا نے سنا ڈاکٹر کہہ رہا تھا "میں آپ کی آنکھوں کو ٹھیک کر دونگا لیکن محنت بہت کرنی ہوگی اور اس کے لئے آپ کو . . . بہت بھاری قربانی دینی ہوگی"

اپنے اندھے پتی کی آنکھوں میں روشنی واپس لانے کی خاطر سنسار بھر کی مصیبتیں سہنے کے لئے رادھا بول اٹھی "تی دیو گھبرائیے نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے آنکھوں کو ٹھیک کرنا منظور کر لیا ہے۔ میں ان کی فیس ادا کر دوں گی"

ڈاکٹر کے باغ امید کے غنچے چٹک اٹھے۔ اس کے ہونٹوں پر گناہ سے رنگی ہوئی ہنسی بکھر گئی۔ اس کی پیشانی پر پاپ کی سیاہی سے بھری ہوئی مسرت کھل پڑی اس نے مڑ کر حسن و جوانی کی زندہ جاوید تصویر رادھا کو دیکھا جس کے حسن کی لازوال رعنائیاں اس کے چہرے پر چھائی ہوئی بدحواسیوں کی خوفناک تاریکی میں بھی ابھر رہی تھیں۔

ڈاکٹر نے دیکھا۔ رادھا اس کے گناہ آلود ارمانوں کی تکمیل کے خوف سے زار و قطار رو رہی تھی۔

نرناتھ بولا "ڈاکٹر صاحب! آپ تو دیوتا ہیں۔ رات کی تاریکی میں اب میرے لئے۔ میری استری کے لئے سچی زندگی کا پیغام لے کر آئے ہیں"

رادھا نے اپنے اندھے نرناتھ کے غفلت سے بھرے الفاظ سن کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا اسے معلوم ہوا جیسے اس کے سامنے گناہ کا خوفناک سیاہ فام دیو کھڑا تھا۔ رادھا لرز اٹھی۔ جیسے ایک مہیب طوفان کا شور سن کر ننھی کونپل غم و فکر سے دوہری ہو جائے۔

ڈاکٹر بولا "میں آج گھر جا رہا ہوں۔ آپ کے لئے دوائیاں اور اوزار لے آؤں دوپہر کے بعد

ڈاکٹر جب اپنے اوزار اور دوائیاں لینے کے لئے شہر کی طرف روانہ ہوا تو نرناتھ بولا "رادھا رانی! ذرا ڈاکٹر صاحب کی بڑی پگڈنڈی تو ڈال آنا"

رادھا آگے آگے ہولی۔ اور ڈاکٹر پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جھونپڑی سے دُور جاکر ڈاکٹر نے دیکھا رادھا چپ چاپ سنگِ مرمر کی سفید مورتی کی طرح اس کے آگے قدم بڑھاتی چلی جا رہی تھی ۔۔۔۔ پگڈنڈی پر رک کر رادھا بولی "یہ راستہ شہر کی طرف جاتا ہے!"

ڈاکٹر بولا "رادھا اپنے وعدہ پر پکی ہو نہ"

"ہاں"

"تو یہ یونشانی" کہتے ہوئے ڈاکٹر نے رادھا کے ہاتھ میں دس روپیہ کا نوٹ اور ایک ریشمی رومال دیدیا۔ رادھا نے انکار کرنا چاہا۔ لیکن معاً اسے خیال آیا کہ کہیں انکار کرنے سے ڈاکٹر روٹھ نہ جائے۔ اور اس کے پتی کی آنکھیں درست ہو جانے سے رہ نہ جائیں۔ اس نے چپ چاپ نوٹ اور رومال کو مٹھی میں لے لیا۔

ڈاکٹر نے حسرت بھری نگاہوں سے جی بھر کر رادھا کو دیکھا اور پھر گھر کی طرف چل پڑا۔

رادھا روتی ہوئی رومال اور نوٹ کو سنبھالے جھونپڑی میں آ گئی۔ ایک لمبی مسافت کے بعد ــــــــــــــــــــــــ

ڈاکٹر رادھا رانی کی مدبھری آنکھوں۔ سونے کی تاروں جیسے بالوں۔ شفاف گورے رنگ کے سپنے لیتا ہوا جب اپنے مکان پر پہنچا۔ تو کواڑ کھلے تھے۔ اس نے سوچا کہ اس کی بیوی اس کے فراق میں بلک رہی ہو گی۔ تڑپ رہی ہو گی۔ جب وہ چپکے سے اس کے پاس جائے گا۔ تو وہ حیران سی رہ جائے گی۔

وہ آہستہ آہستہ اوپر گیا۔ بیٹھک کا دروازہ بند تھا۔ لیکن کانا پھوسی کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے سوچا دروازے کھول کر بیوی کو حیران کرنے سے پہلے سن لوں کہ اندر کون کس سے باتیں کر رہا تھا۔

دروازہ کے ساتھ کان لگا کر اس نے سنا کہ اس کی بیوی کہہ رہی تھی

"مدت کے بعد آنے کا موقعہ میسر آیا ہے۔ اتنی کونسی جلدی پڑی ہے۔ جو بھاگے جا رہے ہو؟"

ایک مرد نے جس کی آواز اس کے دوست رگھوبیر سے ملتی جلتی تھی بولا "میرا جی کرتا ہے سدا تمہارے پاس رہوں۔ تمہاری رومانی آنکھوں کو دیکھتا رہوں تمہارے سحر آگین حسن کی پوجا کرتا رہوں۔ مگر کیا کروں دنیا اور تمہارے پتی کا خوف کچھ نہیں کرنے دیتا۔"

جوش انتقام سے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے دھکا دیکر دروازہ کھول دیا۔ رگھوبیر بتھر۔ کسے بے جان بُت کی طرح خاموش سر نیچے کئے بیٹھا تھا اس کی بیوی کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ زردی وحشت اور پژمردگی کے سایہ میں دو گناہ کی تصویریں لرز رہی تھیں۔ رگھوبیر سر جھکائے اٹھا۔ اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ اس کے دل میں آیا کہ رگھوبیر کو گردن سے پکڑ کر زمین پر پٹک دوں۔ اس کا خون نچوڑ دوں اور ٹکڑہ ٹکڑہ کر دوں مگر معاً اس کے دل میں "اندھے ترناتھ کا خیال آیا۔ اس نے سوچا کہ اگر ترناتھ کی آنکھوں میں بینائی ہوتی۔ اگر وہ دیکھ سکتا۔ تو کیا رادھا کے متعلق میرے رویہ کو برداشت کر لیتا رگھوبیر کو اپنی بیوی کے پاس بیٹھا دیکھ کر میرے دل میں رقابت اور انتقام کی آگ سلگ اٹھی ہے۔ تو کیا اندھا ترناتھ اس بات کو برداشت کر لیتا کہ آدھی رات کو پناہ مانگنے والا پردیسی اس کی خوبصورت بیوی پر ڈاکہ ڈال دے۔ اور اس کی لاٹھی کو چھین کر اسے کبھی نہ ختم ہونے والی تاریکی میں دھکیل دے ——

اس کی بیوی نے ندامت کے مارے اس کے پاؤں پکڑ لئے مگر اس نے ایک جھٹکا دے کر اسے پرے پھینک دیا اور بجلی سے چلنے والے بے جان انسانی پنجر کی طرح خاموشی سے سیڑھیاں اتر گیا۔ الماری کھول کر اس نے ضروری ادزار دوائیاں اور دوسرا سامان اکٹھا کیا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

کئی گھنٹوں کی مسلسل مسافت کے بعد ——————

ڈاکٹر جب رادھا کی جھونپڑی میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اندھا نرناتھ کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ گھر میں تھی صرف رادھا غم کی گھنگھور گھٹاؤں نے رادھا کے حسین چہرے پر سایہ ڈال رکھا تھا۔ رادھا کے لبوں پر زردی چھائی ہوئی تھی جیسے بہت زیادہ بوجھ اٹھانے کی وجہ سے کسی ناتواں مزدور کا رنگ زرد پڑ گیا ہو۔ ڈاکٹر کو محسوس ہوا جیسے رادھا ایک بھاری پتھر کے نیچے دبی ہونے کے کارن کراہ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا رادھا کے پاس پہنچا۔ رادھا نے پاؤں کی چاپ سن کر دیکھا تو آدھی رات کا مہمان کھڑا تھا۔ رادھا نے اپنے دلی جذبات کو چھپا کر ہلکی سی مسکان لانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "آپ آگئے۔"

ڈاکٹر بولا "ہاں آگیا!"

"آپ اداس کیوں ہیں؟" رادھا نے پوچھا۔

"تھک گیا ہوں۔"

"بھلا آپ نے اتنی جلدی ہی کیوں کی۔ شہر میں جا کر ایک دن آرام کر کے آجاتا تھا۔"

ڈاکٹر نے کچھ جواب نہ دیا۔ سامان چارپائی پر رکھ کر اندھے نرناتھ کو ڈھونڈھنے جنگل میں چلا گیا۔ —— اگلے دن —————— علاج شروع ہو گیا لیکن رادھا نے محسوس کیا کہ پردیسی کی آنکھوں میں اب پہلے جیسا بھولا پن نہیں تھا۔ پردیسی کے ہونٹوں پر اب پہلے کی طرح پیاس نہ تھی۔ پردیسی کی باتوں کی شوخی ختم ہو گئی تھی۔ اور اس کی حرکات کی بیباکی فنا ہو گئی تھی۔ جیسے پردیسی رادھا سے بہت دور ہٹتا جا رہا ہو۔ لیکن رادھا نے رومال اور نوٹ کی یاد تازہ کرتے ہوئے سوچا۔ "یہ خیالات محض میری خوش فہمی کا نتیجہ ہیں۔ اندھے پتی کی آنکھوں میں روشنی لانے کیلئے مجھے لازمی طور پر اپنی عصمت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔" یہ سوچ کر وہ کانپ اٹھی —— علاج کامیاب ہوا۔ نرناتھ کی آنکھوں میں بینائی لوٹ آئی۔ —— نرناتھ نے کہا۔ "میں آپ کے اس قدر بھاری احسان کا بدلا نہیں دے سکتا۔ ڈاکٹر صاحب آپ نے مجھ پر بہت بھاری احسان کیا ہے آپ نے مجھے نئی زندگی بخشی ہے

رادھا کانپ اٹھی۔ رومال اور نوٹ کے بیعانہ والے قرضہ کو چکانے کے لئے اب وقت آن پہنچا تھا۔ اسکی پاکیزہ زندگی کو گناہ سے داغ دار کر کے اسکی عاقبت کو تاریک ترین بنانے والی گھڑی آن پہنچی تھی۔

نرناتھ بولا "رادھا رانی۔ ڈاکٹر صاحب اس احسان کے لئے جو کچھ بھی کہیں ہمیں پورا کرنا پڑے گا! فرمایئے ڈاکٹر صاحب! آپ کو کیا عوضانہ دوں؟"

ڈاکٹر بولا "میرے علاج کی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔"

رادھا نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ اس کی روح کانپ اٹھی۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی بہت بڑے بڑے پتھروں سے اس کے دل کو کچل دینے لگا ہو۔ جیسے کوئی اسے آسمان کی بلندیوں سے میلوں گہری غار میں دھکیلنے لگا ہو جیسے بھونچال آیا ہو۔ زمین اس کے پاؤں تلے سے کھسکتی جا رہی تھی ۔۔۔ کانپتی ہوئی رادھا نے خوف سے اپنے منہ کو ڈھانپ لیا۔

ڈاکٹر بولا نرناتھ جی! میرے علاج کی قیمت صرف یہ ہے "

ڈاکٹر رک کر رادھا کو دیکھنے لگا ۔ رادھا بید مجنوں کی طرح کانپ رہی تھی

نرناتھ بولا "ڈاکٹر صاحب آپ شوق سے کہئے میں آپ کی جو بھی خدمت کر سکوں گا اسے خوش قسمتی کا باعث سمجھوں گا"

ڈاکٹر بولا "تو علاج کی قیمت یہ ہے کہ آج سے رادھا میری بہن ہوئی۔ اور میں اس کا بھائی"

رادھا حیران سی رہ گئی۔ چونک کر بولی "کیا؟"

ڈاکٹر بولا "رادھا رانی آج سے تم میری بہن ہوئی اور میں تمہارا بھائی"

رادھا کا چہرہ لا انتہا مسرت سے سرخ ہو گیا۔ ہنستے ہوئے اس نے کہا۔

"بھائی!"

ڈاکٹر نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بہن!"

(دھرم پال)